یااللہ مدد　　لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ　　حق چار یارؓ

حضرت امیر معاویہؓ

اور

تاریخی حقائق

تحریر: مولانا مفتی محمد تقی عثمانی

تیار کردہ: حق چار یارؓ میڈیا سروسز

Haq Char Yaar Media Services

www.kr-hcy.com

A Project of HCY-Global

ترتیب

○ حضرت معاویہؓ اور خلافت وملوکیت (۱)

(حضرت معاویہؓ پر اعتراضات کا علمی جائزہ)

مولانا محمد تقی عثمانی

○ حضرت معاویہؓ اور خلافت وملوکیت (۲)

(ترجمان القرآن لاہور کے اعتراضات کا جواب)

مولانا محمد تقی عثمانی

○ حضرت معاویہؓ شخصیت، کردار اور کارنامے

(حضرت معاویہؓ کی سیرت ومناقب)

مولانا محمود اشرف عثمانی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرف آغاز

حمد و ستائش اس ذات کے لئے جس نے اس کارخانۂ عالم کو وجود بخشا اور درود و سلام اس کے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر جنہوں نے دنیا میں حق کا بول بالا کیا

○☆○

حضرت معاویہؓ، ان جلیل القدر صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کتابتِ وحی کے فرائض انجام دیئے، حضرت علیؓ کی وفات کے بعد ان کا دورِ حکومت تاریخ اسلام کے درخشاں زمانوں میں ہے جس میں اندرونی طور پر امن و اطمینان کا دور دورہ بھی تھا اور ملک سے باہر دشمنوں پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی لیکن حضرت معاویہؓ کے مخالفین نے ان پر اعتراضات و الزامات کا کچھ اس انداز سے انبار لگایا ہے کہ تاریخ اسلام کا یہ تابناک زمانہ سبائی پروپیگنڈے کے گرد و غبار میں روپوش ہو کر رہ گیا ہے۔ اس لئے عرصہ سے میری خواہش تھی کہ حضرت معاویہؓ پر جو مشہور اعتراضات کئے گئے ہیں، ان کا واقعات کی روشنی میں جائزہ لے کر اصل حقیقت واضح کی جائے۔ اتفاق سے اسی دوران مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی کتاب "خلافت و ملوکیت" منظر عام پر آئی، اور اطراف ملک سے ہم سے مطالبہ ہوا کہ اس کے بارے میں اپنی رائے پیش کریں۔ اس کتاب میں حضرت معاویہؓ پر عائد کئے گئے اعتراضات کو مرتب طریقہ سے یکجا کر دیا گیا تھا، چنانچہ کتاب کے اس حصہ پر جو حضرت معاویہؓ سے متعلق تھا، میں نے ماہنامہ "البلاغ" میں ایک سلسلۂ مضامین تحریر کیا جو نو قسطوں پر شائع ہوا۔

بحمد اللہ اس سلسلۂ مضامین کو ہر علمی حلقے میں پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا، اور اب اپنے کرم فرماؤں کے اصرار پر اسے کتابی شکل میں لایا جا رہا ہے۔ میری خواہش تھی کہ کتابی صورت میں لاتے وقت میں حضرت معاویہؓ کی سیرت اور مناقب پر مثبت انداز میں بھی ایک مضمون تحریر کروں، لیکن اپنی گوناگوں مصروفیات میں مجھے اس کا موقعہ نہیں مل سکا، بالآخر

میری فرمائش پر برادر زادہ عزیز مولوی محمود اشرف صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے اس موضوع پر قلم اٹھایا' اور ماشاء اللہ اس موضوع پر بڑی حسن و خوبی اور سلیقہ کے ساتھ ایک جامع مضمون تیار کر دیا جو عزیز موصوف کا نقشِ اول ہے' اور انشاء اللہ ان کے روشن علمی مستقبل کا آئینہ دار۔

اس طرح یہ کتاب اب محض ایک تنقید ہی نہیں ہے' بلکہ اس میں حضرت معاویہؓ کی سیرت' آپ کے فضائل و مناقب' آپ کے عہدِ حکومت کے حالات اور آپ پر مخالفین کے تمام بے جا الزامات کا مدلّل جواب بھی انشاء اللہ مل جائے گا' اور مشاجرات صحابہ کے مسئلہ میں اہل سنت کا معتدل موقف بھی دلائل کے ساتھ واضح ہو سکے گا۔ اللہ تعالیٰ اس حقیر کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے' اور اسے شکوک و شبہات کے ازالہ کا سبب بنائے۔ آمین

محمد تقی عثمانی

۲۷ ربیع الاول ۱۳۹۱ھ

دارالعلوم کراچی ۱۴

(حصہ اول) حضرت معاویہؓ اور خلافت و ملوکیت

عنوان	صفحہ
ترتیب	۳
حرف آغاز	۵
حضرت معاویہ اور خلافت و ملوکیت	۱۱
بحث کیوں چھیڑی گئی؟	۱۳
بدعت کا الزام	۱۹
حضرت معاویہ کے عہد میں	"
نصف دیت کا معاملہ	۲۳
مال غنیمت میں خیانت	۲۷
حضرت علیؓ پر سب و شتم	۳۲
استلحاق زیاد	۴۶
گورنروں کی زیادتیاں	۵۷
حضرت حجر بن عدیؓ کا قتل	۷۹
حضرت معاویہؓ کے زمانے میں اظہار رائے کی آزادی	۱۰۰
یزید کی ولی عہدی کا مسئلہ	۱۰۴
ولی عہد بنانے کی شرعی حیثیت	۱۰۷
کیا حضرت معاویہؓ یزید کو خلافت کا اہل سمجھتے تھے؟	۱۰۹
خلافت یزید کے بارے میں صحابہؓ کے مختلف نظریات	۱۱۹
یزید کی بیعت کے سلسلے میں "بدعنوانیاں"	۱۲۳
حضرت حسینؓ کا موقف	۱۲۶
چند اصولی مباحث	۱۲۹
عدالت صحابہؓ کا مسئلہ	"

عنوان	صفحہ
تاریخی روایات کا مسئلہ	۱۳۳
حضرت معاویہؓ کے عہد حکومت کی صحیح حیثیت	۱۴۲
ایک ضروری بات	۱۵۵
(حصہ دوم) حضرت معاویہؓ اور خلافت ملوکیت	
(ترجمان القرآن لاہور کے تبصرے کا جواب)	
حضرت معاویہؓ اور خلافت وملوکیت	۱۵۹
مجموعی تاثرات	۱۶۱
بدعت کا الزام	۱۶۳
نصف دیت کا معاملہ	۱۷۴
ایک دلچسپ غلطی	۱۷۵
مال غنیمت میں خیانت	۱۸۴
حضرت علیؓ پر سب و شتم	۱۸۸
استلحاق زیاد	۲۰۱
ابن غیلان کا واقعہ	۲۰۶
گورنروں کی زیادتیاں	۲۱۰
حجر بن عدیؓ کا قتل	۲۱۷
ایک ضروری گزارش	۲۲۵
یزید کی ولی عہدی	۲۲۸
عدالت صحابہؓ	۲۳۲
حضرت معاویہؓ اور فسق و بغاوت	۲۳۷
جنگ صفین کے فریقین کی صحیح حیثیت	۲۴۱
آخری گزارش	۲۵۱
(حصہ سوم) حضرت معاویہؓ (شخصیت، کردار، اور کارنامے	
حضرت معاویہؓ، شخصیت، کردار اور کارنامے	۲۵۷

عنوان	صفحہ
ابتدائی حالات	۲۵۸
اسلام	۲۶۰
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق	"
حضرت معاویہؓ صحابہؓ کی نظر میں	۲۶۴
حضرت معاویہؓ تابعین کی نظر میں	۲۶۹
سوانح	۲۷۰
غزوات بـا	۲۷۸
سیرت	۲۷۹
حکمراں کی حیثیت سے	"
حضرت معاویہؓ کے روز مرہ کے معمولات	۲۸۴
حلم' بردباری اور نرم خوی	۲۸۵
عفو و درگذر اور حسن اخلاق	۲۸۷
عشق نبویؐ	۲۸۸
اطاعت پیمبرؐ	۲۹۰
خشیت باری تعالیٰ	۲۹۱
سادگی اور فقر و استغناء	۲۹۲
علم و تفقہ	۲۹۳
ظرافت	۲۹۴
وفات	۲۹۵
آپ کے دور حکومت پر ایک شیعہ مورخ کا تبصرہ	۲۹۷

حصہ اوّل

حضرت معاویہؓ اور خلافت و ملوکیت

(حضرت معاویہؓ پر اعتراضات کا عِلمی جائزہ)

مولانا محمد تقی عثمانی

حضرت معاویہؓ اور خلافت وملوکیت

چند سال پہلے جناب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی جو کتاب "خلافت و ملوکیت" کے نام سے شائع ہوئی ہے اس کے بارے میں البلاغ کے اجراء کے وقت سے ہمارے پاس خطوط کا تانتا بندھا رہا ہے' ملک و بیرون ملک سے مختلف حضرات اس کتاب کے بارے میں ہمارا مؤقف پوچھتے ہی رہتے ہیں۔ اب تک ہم نے اس موضوع پر دو وجہ سے کچھ شائع کرنے سے گریز کیا تھا۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ البلاغ کا بنیادی مقصد اس قسم کی بحثوں سے میل نہیں کھاتا۔ ہماری کوشش روزِ اول سے یہ رہی ہے اور انشاء اللہ آئندہ بھی یہی رہے گی کہ البلاغ کی تمام تر توجہ ان بنیادی مسائل کی طرف رکھی جائے جو بحیثیت مجموعی پوری امت مسلمہ کو درپیش ہیں۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ "خلافت و ملوکیت" کا جو حصہ اس وقت سوالات اور اعتراضات کا محور بنا ہوا ہے' وہ ایک ایسے مسئلے سے متعلق ہے جسے بحث و تمحیص کا موضوع بنانا بہ حالات موجودہ ہم کسی کے لئے بھی نہیں مناسب سمجھتے تھے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں ہمارا اجمالی عقیدہ یہ ہے کہ زمین و آسمان کی نگاہوں نے انبیاء علیہم السلام کے بعد ان سے زیادہ مقدس اور پاکیزہ انسان نہیں دیکھے۔ حق و صداقت کے اس مقدس قافلے کا ہر فرد اتنا بلند کردار اور نفسانیت سے اس قدر دور تھا کہ انسانیت کی تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔ اور اگر کسی سے کبھی کوئی لغزش ہوئی بھی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اسے معاف فرما کر ان کے جنتی ہونے کا اعلان فرما دیا ہے۔ رہ گئی یہ بات کہ ان کے باہمی اختلافات میں کون حق پر تھا؟ اور کس سے کس وقت کیا غلطی سرزد ہوئی تھی؟ سو اس قسم کے سوالات کا واضح جواب قرآن کے الفاظ میں یہ ہے:

تلک امۃ قد خلت لھا ما کسبت ولکم ما کسبتم ولا تسئلو۔
عما کانوا یعملون

یہ ایک امت تھی جو گذر گئی۔ ان کے اعمال ان کے لئے اور تمہارے اعمال تمہارے لئے' اور تم سے نہ پوچھا جائے گا کہ انہوں نے کیا عمل کیا تھا؟

ان دو باتوں کے پیش نظر ہم اب تک نہ صرف اس موضوع پر قلم اٹھانے' بلکہ "خلافت وملوکیت" کا مطالعہ کرنے سے بھی گریز کرتے رہے لیکن افسوس یہ ہے کہ اس کتاب کی اشاعت کے بعد وہ فتنہ پوری آب و تاب کے ساتھ کھڑا ہو گیا جس سے بچنے کے لئے ہم نے یہ طرز عمل اختیار کیا تھا۔ پچھلے دنوں اس کتاب کے مباحث دینی حلقوں کا موضوعِ بحث بنے رہے۔ اور اس کے موافق و مخالف تحریروں کا ایک انبار لگ گیا۔ ادھر ہمیں اس کتاب کے مطالعے اور اس کے بہت سے قارئین سے تبادلۂ خیال کا موقع ملا تو اندازہ ہوا کہ جن حضرات نے اسے عقیدت اور احترام کے ساتھ پڑھا ہے ان کے دل میں ایسی شدید غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں جن کا دور ہونا ضروری ہے' ان حالات میں اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ افراط و تفریط سے ہٹ کر خالص علمی اور تحقیقی انداز میں مسئلے کی حقیقت واضح کردی جائے۔ اسی ضرورت کا احساس اس مقالے کی شانِ نزول ہے۔

اس مقالے کو منظرِ عام پر لانے کے لئے ہم نے ایک ایسے وقت کا انتخاب کیا ہے جب کہ اس موضوع پر بحث و مناظرہ کی گرما گرمی دھیمی پڑ رہی ہے۔ اور فریقین کی طرف سے اس کتاب کی حمایت و تردید میں اچھا خاصا مواد سامنے آچکا ہے' مقصد صرف یہ ہے کہ اپنے قارئین کو بحث و مباحثہ کی اس فضاء سے آزاد ہو کر سوچنے کی دعوت دی جائے جو حقیقت پسندی کے جذبہ کے لئے زہر قاتل ہوا کرتی ہے۔

جن حضرات نے خلافت وملوکیت کا مطالعہ کیا ہے' ہمارا اصل مخاطب وہ ہیں' اور ہم نہایت دردمندی کے ساتھ یہ گذارش کرتے ہیں کہ وہ اس مقالے کا بحث و مباحثہ کے بجائے افہام و تفہیم کے ماحول میں مطالعہ فرمائیں' ہمیں اللہ تعالی کی ذات سے امید ہے کہ اگر ان معروضات کو اسی جذبے کے ساتھ پڑھا گیا تو یہ مضمون تطویل بحث کا سبب نہیں بنے گا بلکہ انشاءاللہ افتراق و انتشار کی موجودہ کیفیت میں کمی ہی آئے گی۔

بحث کیوں چھیڑی گئی؟

ہمارے لئے سب سے پہلے تو یہ بات بالکل ناقابلِ فہم ہے کہ اس پُر فتن دور میں مشاجرات صحابہ کی اس بحث کو چھیڑنے کا کیا موقع تھا؟ امت مسلمہ کو اس وقت جو بنیادی مسائل درپیش ہیں' اور جتنا بڑا کام اس کے سامنے ہے' مولانا مودودی صاحب یقیناً ہم سے زیادہ اس سے واقف ہوں گے۔ اس اہم کام کے لئے جس یکسوئی اور یک جہتی کی ضرورت ہے' وہ بھی کسی سے مخفی نہیں' کون نہیں جانتا کہ آج کی دنیا میں دولت و حکومت پر اور علمی اور فکری مرکزوں پر ذہنوں میں انقلاب پیدا کرنے والے نشرواشاعت کے دوررس رسائل پر تمام تر قبضہ یا ان لوگوں کا ہے جو کھلے طور پر دشمن اسلام ہیں اور آپس کے ہزاروں اختلاف کے باوجود اپنا سب سے بڑا خطرہ اسلام کو سمجھے ہوئے ہیں اور اس کے مقابلے میں متحد ہیں' یا پھر کچھ ایسے ہاتھوں میں ہے جو مسلمان کہلانے کے باوجود ان سے ایسے مرعوب ہیں کہ اسلام کی سب سے بڑی خدمت اس کو سمجھتے ہیں کہ اس کو کھینچ تان کر کسی طرح ان آقاؤں کی مرضی کے مطابق بنا دیا جائے۔ ان حالات میں اسلام دشمن عناصر کا مقابلہ کرنے کے لئے اگر کوئی قوت اہل حق کے پاس ہے تو وہ صرف ان کا باہمی اتحاد و اتفاق اور اجتماعی کوشش ہے۔ اس کے لئے کیا یہ ضروری نہیں کہ آپس کے سابقہ اختلافات کو بھی ایک خاص دائرہ میں محدود کر کے ان سب کی پوری طاقت اس محاذ پر صرف ہو جس طرف سے کھلے کفر و الحاد کی یلغار ہے۔ اور کیا یہ ضروری نہیں ہے کہ اس دور میں ملت کی فکری اور عملی توانائیاں غیر ضروری یا ثانوی اہمیت کے مسائل پر صرف کرنے کے بجائے ان بنیادی مسائل پر خرچ کی جائیں جو اس وقت عالم اسلام کے لئے زندگی اور موت کے مسائل ہیں۔

جہاں تک اسلام کے نظامِ خلافت کی تشریح و توضیح کا تعلق ہے' بلاشبہ وہ وقت کی بڑی اہم ضرورت تھی اور اس موضوع پر مولانا نے بھی "خلافت و ملوکیت" کے ابتدائی تین ابواب میں بحیثیت مجموعی بڑی قابل قدر کوشش فرمائی ہے۔ لیکن موجودہ وقت کی ضرورت کے لئے اتنا واضح کر دینا بالکل کافی تھا کہ خلافت کسے کہتے ہیں؟ وہ کس طرح قائم ہوتی ہے؟ اس میں مقننہ' عدلیہ اور انتظامیہ کے حدود اختیار کیا ہوتے ہیں؟ اور راعی و رعیت کے تعلقات کی

نوعیت کیا ہوتی ہے؟ رہی یہ بحث کہ تاریخ اسلام میں خلافت ملوکیت میں کس طرح تبدیل ہوئی؟ اور اس کی ذمہ داری کس کس پر عائد ہوتی ہے؟ سو یہ خالصتاً ایک ایسی تاریخی بحث ہے جس کی تحقیق ایک علمی نکتہ آفرینی تو کہلا سکتی ہے لیکن اس سے موجودہ دور کے مسلمانوں کا کوئی قابل ذکر فائدہ متعلق نہیں ہے۔ خاص طور سے اس لئے بھی کہ یہ موضوع کوئی ایسا موضوع نہیں ہے جس پر ماضی میں کسی نے بحث نہ کی ہو۔ یا اس کی وجہ سے علم تاریخ میں کوئی ناقابل برداشت خلا پایا جاتا ہو۔ آج سے کم و بیش پانچ سو سال پہلے علامہ ابن خلدون جیسے عالمگیر شہرت کے مؤرخ نے اس مسئلے پر مفصل بحث کی ہے اور اس علمی خلاء کو نہایت سلامت فکر کے ساتھ پر کردیا ہے انہوں نے اپنے شہرہ آفاق مقدمے کے تیسرے باب میں خلافت وملوکیت پر بڑی مبسوط بحث کی ہے، اور اس باب کی چھبیس ویں فصل کا تو عنوان ہی یہ ہے کہ:

فی انقلاب الخلافۃ الی الملک[۱]

خلافت کے ملوکیت میں تبدیل ہونے کا بیان

اس فصل میں انہوں نے اپنے مخصوص سلجھے ہوئے انداز میں اس انقلاب کے اسباب بھی بیان کردیئے ہیں، تاریخ اور بالخصوص تاریخ اسلام کے واقعات اور اس کے اتار چڑھاؤ پر ابن خلدونؒ سے زیادہ نظر رکھنے کا دعویٰ اس دور میں شاید ہی کسی کو ہو، ان کے افکار کے ترجمے بھی ہو چکے ہیں اور تمام مسلمان اور غیر مسلم مؤرخین تاریخ اور فلسفۂ تاریخ میں ان کے مقام بلند کے معترف ہیں، اپنی اس بحث میں مشاجرات صحابہؓ کے دریائے خون سے وہ نہایت سلامتی کے ساتھ گذرے ہیں۔

لہٰذا موجودہ زمانہ میں اس مسئلے کی کھود کرید اتنی ہی مضر ہے جتنی بخت نصر کے حملے کے وقت یہودیوں کی یہ بحث کہ حضرت مسیحؑ کے فضلات پاک تھے یا ناپاک؟ یا تاتاریوں کی یلغار کے وقت اہل بغداد کی یہ تحقیق کہ حضرت علیؓ افضل تھے یا حضرت معاویہؓ!

مولانا مودودی صاحب نے اس بحث کو چھیڑنے کی وجہ جواز یہ بیان فرمائی ہے کہ:

آج پاکستان میں تمام ہائی اسکولوں اور کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طالب علم

---

[۱] مقدمہ ابن خلدون، باب ۳، فصل ۲۶ ص ۳۶۳ تا ۳۹۱، دارالکتاب اللبنانی، بیروت، ۱۹۵۶

اسلامی تاریخ اور علم سیاست کے متعلق اسلامی نظریات پڑھ رہے ہیں۔ ابھی کچھ مدت پہلے پنجاب یونیورسٹی کے ایم۔اے سیاسیات کے امتحان میں یہ سوالات آئے تھے کہ قرآن نے ریاست کے متعلق کیا اصول بیان کیے ہیں؟ عہدِ رسالت میں ان اصولوں کو کس طرح عملی جامہ پہنایا گیا' خلافت کیا چیز تھی اور یہ ادارہ بادشاہی میں کیوں اور کیسے تبدیل ہوا؟ اب کیا معترض حضرات چاہتے ہیں کہ مسلمان طلباء ان سوالات کے وہ جوابات دیں جو مغربی مصنفین نے دیے ہیں؟ یا ناکافی مطالعہ کے ساتھ خود الٹی سیدھی رائیں قائم کریں؟ یا ان لوگوں سے دھوکا کھائیں جو تاریخ ہی کو نہیں' اسلام کے تصورِ خلافت تک کو مسخ کر رہے ہیں؟ الخ" [1]

لیکن ہمارا خیال ہے کہ مولانا جب بحث و مباحثہ کی موجودہ فضا سے ہٹ کر ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں گے تو انہیں خود اپنا یہ عذر کمزور محسوس ہو گا۔ جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ مسلمان طلباء ان سوالات کے کیا جواب دیں؟ تو اس کا سیدھا سا جواب تو یہ ہے کہ انہیں وہ جواب دینا چاہیے جو ابن خلدونؒ نے مقدمہ میں دیا ہے اور جس کا ترجمہ ان کے نصاب میں داخل بھی ہے۔ اسے چھوڑ کر مغربی مصنفین یا کسی اور کی طرف وہ اسی وقت رجوع کریں گے جب کہ انہیں از خود بھٹکنے یا گمراہ ہونے کی خواہش ہو اور ظاہر ہے کہ اس خواہش کی موجودگی میں کوئی کتاب ان کی مدد نہیں کر سکے گی۔

مولانا کی یہ بات بلاشبہ معقول ہے کہ:

"اگر ہم صحتِ نقل اور معقول و مدلّل اور متوازن طریقے سے اس تاریخ کو خود بیان نہیں کریں گے اور اس سے صحیح نتائج نکال کر مرتب طریقے سے دنیا کے سامنے پیش نہیں کریں گے تو مغربی مستشرقین اور غیر معتدل ذہن و مزاج رکھنے والے مسلمان مصنفین جو اسے نہایت غلط رنگ میں پیش کرتے رہے ہیں اور آج بھی پیش کر رہے ہیں مسلمانوں کی نئی نسل کے دماغ میں اسلامی تاریخ ہی کا نہیں بلکہ اسلامی حکومت اور اسلامی نظامِ

---

[1] خلافت و ملوکیت ص ۳۰۰

زندگی کا بھی بالکل غلط تصور بٹھا دیں گے" [1]

لیکن ہمیں اس سلسلہ میں چند باتیں عرض کرنی ہیں۔

۱۔ مولانا نے اس فقرے میں دو خطرات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ایک یہ کہ تاریخ کو غلط رنگ میں پیش کرنے والے اس کے ذریعہ "اسلامی حکومت اور اسلامی نظام زندگی کا بھی بالکل غلط تصور بٹھا دیں گے۔" دوسرے یہ کہ اس سے خود اسلامی تاریخ کا غلط تصور سامنے آئے گا۔ جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے سو اگر یہ لوگ ہماری تاریخ سے ہمارے نظام حکومت اور ہمارے نظامِ زندگی کا استنباط کرنے کی حماقت کریں گے تو ہمارا صحیح جواب یہ ہو گا کہ ہمارا نظامِ حکومت اور ہمارا "نظامِ زندگی" تاریخ کی عام روایات سے نہیں، قرآن سے اور ان حادیث سے و آثار سے مستنبط ہے جو جرح و تعدیل کی کڑی شرائط پر پوری اترتی ہیں۔ ہمارے نظامِ زندگی کو سمجھنا ہے تو قرآن و حدیث سے اور فقہ و کلام سے سمجھو، خود مولانا مودودی بھی اس بات کو تسلیم فرماتے ہیں کہ "حرام و حلال فرض و واجب اور مکروہ و مستحب جیسے اہم شرعی امور کا فیصلہ" اور یہ فیصلہ کہ "دین میں کیا چیز سنت ہے اور کیا چیز سنت نہیں ہے" عام تاریخی روایات سے نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا ہمارے لئے آخر یہ کیسے جائز ہو گا کہ اپنے نظامِ زندگی کے غلط تصور کو ختم کرنے کے لئے ہم خود ان لوگوں کی اس اصولی غلطی کا اعادہ کریں اور اپنے نظامِ زندگی کا صحیح تصور ثابت کرنے کے لئے ان کی توجہ قرآن و حدیث کی طرف منعطف کرانے کے بجائے خود بھی تاریخی بحثوں میں الجھ جائیں۔؟

رہ گئی دوسری بات کہ اگر ہم نے خود صحتِ نقل کے ساتھ اپنی تاریخ کو مرتّب نہ کیا تو یہ لوگ ہماری تاریخ کا نہایت غلط تصور ذہنوں میں بٹھا دیں گے۔ سو یہ بات بلاشبہ بالکل درست ہے اور فی الواقع اس کی ضرورت ہے کہ ہم اپنی تاریخ کو تحقیق و نظر کی چھلنی میں چھان کر اس طرح مرتّب کریں کہ وہ زیادہ سے زیادہ اصلی صورت میں لوگوں کے سامنے آ سکے۔ لیکن اول تو ہم نہایت ادب کے ساتھ یہ گذارش کریں گے کہ مولانا مودودی صاحب نے خود ہماری تاریخ کا جو تصور دے دیا ہے اور ان کی کتاب کے تاریخی حصے سے عہدِ صحابہؓ و تابعین کا جو مجموعی تاثر قائم ہوتا ہے وہ بجائے خود انتہائی غلط اور خطرناک تاثر ہے، اور ہم یہ

---

[1] خلافت و ملوکیت ص ۳۰۰

سمجھنے سے قاصر رہے ہیں کہ دوسرے لوگ اس سے زیادہ غلط تاثر اور کیا دے سکتے ہیں؟ دوسرے مولانا خود ہی غور فرمائیں کیا یہ عظیم کام اتنی آسانی سے عمل میں آسکتا ہے کہ خلافت وملوکیت کی خالص احکامی بحث کے ضمن میں اس قدر سرسری طور پر اسے انجام دیا جائے؟ اگر ہمیں اپنی تاریخ کو زیادہ سے زیادہ اصلی شکل میں پیش کرکے دلوں کو اس پر مطمئن کرنا ہے تو محض چند یکطرفہ روایات کو جمع کردینے سے کچھ حاصل نہ ہوگا' اس کے بجائے ہمیں تحقیق وتنقید کے اصول مدلّل طریقے سے معین کرنے ہوں گے'...... ہر روایت کے بارے میں معقول دلائل کے ساتھ یہ بتانا ہوگا کہ ہم نے اس کی مخالف روایات کو چھوڑ کر اسے کیوں اختیار کیا ہے؟ ورنہ ظاہر ہے کہ اگر آپ طبریؒ' ابن کثیرؒ اور ابن اثیرؒ کے حوالوں سے واقعات کا ایک تسلسل قائم فرما کر دکھلائیں اور "دوسرے لوگ" بعینہ ان ہی کتابوں کے حوالوں سے واقعات کا دوسرا تسلسل ثابت کردیں تو اس سے وہ "نئی نسل" آخر کیسے مطمئن ہو سکے گی جس کی گمراہی کا آپ کو خوف ہے؟

اسی لئے ہمارے رائے یہ ہے کہ تاریخ اسلام اور خاص طور سے اس کے مشاجرات صحابہؓ والے حصے کی تحقیق کا یہ کام یا تو اس پر فتن دور میں چھیڑا نہ جائے کیونکہ امت کے سامنے اس سے زیادہ اہم مسائل ہیں جن کے مقابلے میں یہ کام کوئی اہمیت نہیں رکھتا یا پھر.... انفرادی رائے قائم کرنے کے بجائے متوازن فکر رکھنے والے اہلِ بصیرت علماء کی ایک جماعت اس کام کو انجام دے۔ اور تاریخ کی تحقیق وتنقید کے اصول طے کرنے میں زیادہ سے زیادہ علماء کا مشورہ اور تعاون حاصل کرے۔ اس کے بغیر اس سلسلے کی انفرادی کوششیں مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگیوں کو نئے میدان فراہم کرنے کے سوا کوئی خدمت انجام نہیں دے سکیں گی۔ لہٰذا موجودہ حالات میں اس کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے کہ اس معاملے میں ابن خلدونؒ جیسے اہل بصیرت اور متوازن الفکر مؤرخین کی اس تحقیق پر اعتماد کیا جائے' جو انہوں نے تاریخ اسلام کے اولین مآخذ کو اچھی طرح کھنگالنے کے بعد پیش کی ہے۔ اس موضوع پر اگر کوئی انفرادی کوشش ہو بھی تو وہ اسی تحقیق کو بنیاد بنا کر اسے مزید وسعت دے اور کوئی ایسا نتیجہ نکال کر منظر عام پر نہ لائے جو صدیوں کے مسلّمات کے خلاف ہو جس سے ذہنوں میں خلجان پیدا ہو اور افتراق اور انتشار کا دروازہ کھلے۔

اس مختصر گذارش کے بعد ہم "خلافت وملوکیت" کی ان باتوں کی طرف آتے ہیں جو

ہماری نگاہ میں سخت قابلِ اعتراض ہیں۔ قاعدے کا تقاضا تو یہ تھا کہ ہم پہلے صحابہ کرامؓ کی عدالت اور تاریخی روایات کی حیثیت سے متعلق ان اصولی مباحث پر گفتگو کرتے جو مولانا نے اپنے معترضین کے جواب میں چھیڑے ہیں' اس کے بعد جزئیات کی طرف آتے۔ لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ صحابہؓ کی عدالت وغیرہ کے بارے میں جو اصولی بات ہم عرض کرنا چاہتے ہیں' مولانا مودودی صاحب کی اس کتاب کے بعد وہ شاید اس وقت تک مولانا کے قارئین کے دلوں میں بیٹھ نہ سکے جب تک مولانا کے بیان کردہ واقعات پر تبصرہ نہ کیا جائے خلافت و ملوکیت کو پڑھنے والوں میں اکثریت ایسے حضرات کی ہوگی جن کے لئے یہ ممکن نہیں ہو تاکہ وہ مولانا کے بیان کردہ ہر واقعے کو اس کے اصل مآخذ میں دیکھ کر یہ فیصلہ کریں کہ یہ واقعہ جو تاثر دے رہا ہے وہ فی الواقع صحیح ہے یا نہیں۔ اس کے بجائے یقیناً بیشتر حضرات نے مولانا مودودی صاحب کی نقل پر اعتماد کرکے اس کتاب سے وہی تاثر لیا ہوگا جو یہ کتاب دے رہی ہے' ایسی حالت میں جب تک ان واقعات کی حقیقت نہ بتائی جائے۔ عدالتِ صحابہؓ کی بحث "خلافت و ملوکیت" کے ان قارئین کے دلوں میں نہیں اتر سکے گی جنہوں نے اس کتاب کو عقیدت و محبت کے جذبات کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس لئے ہم نے یہ مناسب سمجھا کہ پہلے ان جزئی واقعات ہی کو سامنے لے آئیں جن پر ہمیں کچھ عرض کرنا ہے۔

پوری کتاب پر کماحقہ تبصرہ کرنا تو چند در چند وجوہ کی بناء پر ہمارے لئے ممکن نہیں ہے' ہم یہاں صرف ان اعتراضات کو زیر بحث لائیں گے جو مودودی صاحب نے حضرت معاویہؓ پر وارد کئے ہیں' حضرت عثمانؓ کے بارے میں مولانا مودودی صاحب نے جو کچھ لکھا ہے' وہ بھی کئی مقامات پر اپنے اسلوب بیان اور کئی جگہوں پر اپنے مواد کے لحاظ سے بہت قابل اعتراض ہے' لیکن حضرت معاویہؓ کے بارے میں تو وہ انتہائی خطرناک حد تک پہنچ گئے ہیں۔ اور ہماری پر خلوص دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس سے واپس لوٹنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اسی جذبے کے تحت ہم نے یہاں صرف ان اعتراضات کو اپنی گفتگو کے لئے چنا ہے جو انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر وارد کئے ہیں۔ ہم ایک بار پھر یہ گذارش کریں گے کہ ہماری ان معروضات کو بحث و مباحثہ کی فضا سے ہٹ کر ٹھنڈے دل کے ساتھ پڑھا جائے اور چونکہ معاملہ صحابہ کرام کا ہے اس لئے اس نازک معاملے میں ذہن کو جماعتی تحزّب یا شخصی اعتقاد کی قیود سے بالکل آزاد کر لیا جائے۔ امید ہے کہ ہماری یہ دردمندانہ

گذارش قابلِ قبول ہوگی۔

ا۔ بدعت کاالزام

"قانون کی بالاتری کا خاتمہ" کے عنوان کے تحت مولانا لکھتے ہیں۔

"ان بادشاہوں کی سیاست دین کے تابع نہ تھی' اس کے تقاضے وہ ہر جائز و ناجائز طریقے سے پورے کرتے تھے' اور اس معاملے میں حلال و حرام کی تمیز روانہ رکھتے تھے' مختلف خلفائے بنی امیہ کے عہد میں قانون کی پابندی کا کیا حال رہا' اسے ہم آگے کی سطور میں بیان کرتے ہیں۔

حضرت معاویہؓ کے عہد میں

یہ پالیسی حضرت معاویہؓ ہی کے عہد سے شروع ہو گئی تھی۔"

اس "پالیسی" کو ثابت کرنے کے لئے مولانا نے چھ سات واقعات لکھے ہیں۔ پہلا واقعہ وہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ :

"امام زہری کی روایت ہے کہ رسول اللہ ؐ اور چاروں خلفائے راشدین کے عہد میں سنت یہ تھی کہ نہ کافر مسلمان کا وارث ہو سکتا ہے' نہ مسلمان کافر کا' حضرت معاویہؓ نے اپنے زمانہ حکومت میں مسلمانوں کو کافر کا وارث قرار دیا اور کافر کو مسلمان کا وارث قرار نہ دیا' حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے آکر اس بدعت کو ختم کیا' مگر ہشام بن عبد الملک نے اپنے خاندان کی روایت کو پھر بحال کر دیا۔" (ص۔ ۱۷۳)

اس واقعہ کے لئے مولانا نے البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۳۹' اور جلد ۹ صفحہ ۲۳۲ کا حوالہ دیا ہے لہٰذا پہلے اس کتاب کی اصل عبارت ملاحظہ فرمالیجئے۔

حدثنی الزهری قال: کان لا یرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم فی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم وابی بکرؓ و عمرؓ وعثمانؓ و علیؓ' فلما ولی الخلافة معاویة ورث المسلم من الکافر ولم یورث الکافر من المسلم' واخذ بذالک

الخلفاء من بعده فلما قام عمر بن عبدالعزیز راجع السنة الاولی و تبعه فی ذلک یزید بن عبدالملک، فما قام هشام اخذ بسنة الخلفاء یعنی انه ورث المسلم من الکافر۔"

"امام زہری فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ اور خلفائے اربعہؓ کے عہد میں نہ مسلمان کافر کا وارث ہوتا تھا نہ کافر مسلمان کا، پھر جب معاویہؓ خلیفہ بنے تو انہوں نے مسلمان کو کافر کا وارث قرار دیا، اور کافر کو مسلمان کا وارث نہ بنایا، ان کے بعد خلفاء نے بھی یہی معمول رکھا، پھر جب عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے پہلی سنت کو لوٹا دیا۔ اور یزید بن عبدالملک نے بھی ان کی اتباع کی، پھر جب ہشام آیا تو اس نے خلفاء کی سنت پر عمل کیا یعنی مسلمان کو کافر کا وارث قرار دے دیا۔[1]

اب اصل صورت حال ملاحظہ فرمائیے، واقعہ اصل میں یہ ہے کہ یہ مسئلہ عہد صحابہؓ سے مختلف فیہ رہا ہے۔ اس بات پر تو اتفاق ہے کہ کافر مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا، لیکن اس میں اختلاف ہے کہ مسلمان کافر کا وارث ہو سکتا ہے یا نہیں، اس اختلاف کی تشریح علامہ بدر الدین عینی رحمتہ اللہ علیہ کی زبانی سنئے۔

"واما المسلم فهل یرث من الکافر ام لا، فقالت عامة الصحابة رضی الله تعالٰی عنهم لا یرث، وبه اخذ علماء نا والشافعیؒ وهذا استحسان والقیاس ان یرث وهو قول معاذ بن جبلؓ ومعاویة بن ابی سفیانؓ وبه اخذ مسروق والحسن و محمد بن الحنفیة و محمد بن علی بن حسین[2]"

"رہی یہ بات کہ مسلمان کافر کا وارث ہو سکتا ہے یا نہیں، سو عام صحابہ کرامؓ کا قول تو یہی ہے کہ وہ وارث نہ ہو گا، اور اسی کو ہمارے علماء "حنفیہ" اور امام شافعیؒ نے اختیار کیا ہے لیکن یہ استحسان ہے۔ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ وارث ہو اور یہی حضرت معاذ بن جبل اور حضرت معاویہ

[1] البدایہ والنہایہ ص ۲۳۲ ج ۹ مطبعۃ السعادۃ

[2] عمدۃ القاری ص ۲۶۰ ج ۲۳ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ باب لا یرث المسلم الکافر الخ

کا مذہب ہے' اور اسی کو مسروقؒ' حسنؒ' محمد بن حنفیہؒ اور محمد بن علی بن حسینؒ نے اختیار کیا ہے۔"

اور حافظ ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں[1]۔

"اخرج ابن ابی شیبة من طریق عبداللہ بن معقل قال ما رایت قضاء احسن من قضاء قضی به معاویة نرث اهل الکتاب ولا یرثونا کما یحل النکاح فیهم ولا یحل لهم و به قال مسروق و سعید بن المسیب و ابراهیم النخعی و اسحاقؒ"

"ابن ابی شیبہؒ نے حضرت عبداللہ بن معقل سے نقل کیا ہے' وہ فرماتے تھے کہ میں نے کوئی فیصلہ حضرت معاویہؓ کے اس فیصلے سے بہتر نہیں دیکھا کہ ہم اہل کتاب کے وارث ہوں اور وہ نہ ہوں' یہ ایسا ہی ہے جیسے ہمارے لئے ان کی عورتوں سے نکاح حلال ہے' مگر ان کے لئے ہماری عورتوں سے نکاح حلال نہیں۔ اور یہی مذہب مسروقؒ' سعید بن المسیبؒ' ابراہیم نخعی اور اسحاق رحمتہ اللہ کا ہے۔"

پھر حافظ ابن حجرؒ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کے حوالے سے حضرت معاویہؓ کے اس مسلک کی تائید میں ایک مرفوع حدیث بھی نقل کی ہے۔

"عن معاذؓ قال یرث المسلم من الکافر من غیر عکس واحتج بانه سمع رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یقول الاسلام یزید ولا ینقص وهو حدیث اخرجه ابو داؤد و صححه الحاکمؒ"

"حضرت معاذؓ فرماتے تھے کہ مسلمان کافر کا وارث ہو گا مگر اس کا عکس نہیں ہو گا' وہ دلیل یہ پیش کرتے تھے کہ انہوں نے خود رسول اللہؐ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ اسلام (انسانی حقوق میں) زیادتی کرتا ہے' کمی نہیں کرتا۔ یہ حدیث امام ابو داؤدؒ نے روایت کی ہے اور حاکمؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔"

---

[1] فتح الباری ص ۴۱ ج ۱۲ المطبعۃ البہیۃ مصر ۱۳۴۸ھ باب مذکور

یہ تمام صورت حال آپ کے سامنے ہے، اسے ذہن میں رکھ کر مولانا مودودی کی
کورہ عبارت کو ایک بار پھر پڑھیے، مولانا نے یہ واقعہ اس طرح ذکر کیا ہے کہ گویا حضرت
عاویہؓ اس مسئلے میں بالکل منفرد ہیں، اور کسی اجتہادی رائے کی بناء پر نہیں بلکہ (معاذ اللہ)
سی سیاسی غرض سے انہوں نے یہ "بدعت" جاری کی ہے۔ اور اس طرح "قانون کی
اتری کا خاتمہ" کر ڈالا ہے، لیکن آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ یہ سراسر فقہی مسئلہ ہے جس میں
تنہا بھی نہیں ہیں بلکہ صحابہ کرامؓ میں سے حضرت معاذ بن جبل جیسے جلیل القدر صحابی (جن
کے علم و فقہ پر خود آنحضرتؐ کی شہادت موجود ہے[1]) اور تابعین میں سے مسروقؒ، حسن بصریؒ
راہیم نخعیؒ، محمد بن حنفیہؒ، محمد بن علی بن حسینؒ اور اسحاق بن راہویہؒ جیسے فقہاء بھی ان کے
اتھ ہیں۔ حضرت معاویہؓ کا یہ فقہی مسلک بلاشبہ بعد کے فقہاء نے اختیار نہیں کیا، ہم خود
بی اس مسلک کے قائل نہیں ہیں، لیکن ساتھ ہی ہمارا اعتقاد یہ بھی ہے کہ اگر حضرت
عاویہؓ اپنے اس اجتہاد میں بالکل تنہا ہوں تب بھی اس بات کا کوئی جواز نہیں ہے کہ ان کے
س اجتہاد کو "بدعت" کہا جائے، یا اس سے یہ نتیجہ نکالا جائے کہ انہوں نے سیاست کو دین
غالب رکھنے اور "حلال و حرام کی تمیز" کو مٹانے کی "پالیسی" شروع کردی تھی، کیا حضرت
ؓ سے اختلاف کر کے حضرت معاویہؓ کو اتنا بھی حق نہیں رہا کہ وہ کسی شرعی مسئلے میں اپنے
م و فضل سے کام لے کر کوئی اجتہاد کرسکیں؟ جب کہ وہ فقہاء میں سے ہیں، اور ان کے
رے میں صحیح بخاری میں یہ روایت موجود ہے کہ :-

> قیل لابن عباسؓ هل لک فی امیر المومنین معاویة؟ ما اوتر
> الا بواحدة
> قال : أصاب، انه فقیه[2]

> "حضرت ابن عباسؓ سے کہا گیا کہ امیر المومنین معاویہؓ ہمیشہ ایک رکعت
> وتر پڑھتے ہیں، کیا آپ اس معاملے میں کچھ فرمائیں گے؟
> "حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا! انہوں نے درست کیا، وہ فقیہ ہیں"

---

[1] قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم، اعلمھم بالحلال والحرام معاذ بن جبل

[2] صحیح بخاری، کتاب المناقب، ذکر معاویۃ بن ابی سفیانؓ ص ۵۳۱ ج ۱، نور محمد کراچی

یہی وجہ ہے کہ وہ امام زہریؒ جن کا مقولہ مولانا مودودی صاحب نے نقل کیا ہے 'حضرت معاویہؓ سے اس معاملے میں اختلاف رکھنے کے باوجود ان کے اس فعل کو "بدعت" نہیں کہتے' بلکہ یہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے :

راجع السنۃ الاولیٰ [1]

"پہلی سنت کو لوٹا دیا"

اس میں "پہلی سنت" کا لفظ اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ وہ دوسری سنت جو حضرت معاویہؓ نے جاری رکھی تھی، وہ بھی سنت ہی تھی، بدعت نہ تھی، لیکن حیرت ہے کہ مولانا مودودی صاحب ان کے اس جملے کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں :

"حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے آکر اس بدعت کو موقوف کیا۔" (ص ۱۷۳)

(۲) نصف دیت کا معاملہ

حضرت معاویہؓ کے عہد میں "قانون کی بالاتری کے خاتمے" اور سیاست کو دین پر غالب رکھنے کی "پالیسی" کی دوسری شہادت مولانا مودودی نے یہ پیش کی ہے :

"حافظ ابن کثیر "کہتے [2] ہیں کہ دیت کے معاملے میں بھی حضرت معاویہؓ نے سنت کو بدل دیا، سنت یہ تھی کہ معاہد کی دیت مسلمان کے برابر ہوگی مگر حضرت معاویہؓ نے اس کو نصف کر دیا۔ اور باقی خود لینی شروع کر دی۔"

(ص ۱۷۳، ۱۷۴)

اس میں اول تو خط کشیدہ جملہ نہ حافظ ابن کثیرؒ کا ہے، نہ امام زہریؒ کا۔ بلکہ یہ خود مولانا کا ہے۔ (یہ نشاندہی ہم نے اس لئے کی ہے کہ مولانا کی عبارت سے صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ جملہ حافظ ابن کثیر کا ہے)

البدایہ والنہایہ کی اصل عبارت یہ ہے :

---

[1] البدایہ والنہایہ، ص ۲۳۲ ج ۹

[2] اس معاملے میں بھی مولانا مودودی سے غلطی ہوئی ہے، یہ مقولہ خود حافظ ابن کثیرؒ کا نہیں ہے بلکہ امام زہری ہی کا ہے، دبہ قال الزھری کے الفاظ اس پر شاہد ہیں

"وبه قال الزهری و مضت السنة ان دیة المعاهد کدیة المسلم وکان معاویة اول من قصرها الی النصف واخذ النصف لنفسه" [۱]

"مذکورہ سند ہی سے امام زہریؒ کا یہ قول ہم تک پہنچا ہے کہ! سنت یہ چلی آتی تھی کہ معاہد کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر ہوگی، اور حضرت معاویہؓ پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے اسے کم کر کے نصف کردیا، اور نصف اپنے واسطے لے لی۔

یہ درست ہے کہ یہ عبارت سرسری نظر میں بڑی مغالطہ انگیز ہے، کیونکہ اس سے بادی النظر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے باقی نصف دیت خود اپنے ذاتی استعمال میں لانی شروع کردی تھی، لیکن کاش! مولانا مودودی اس مجمل اور سرسری مقولے کو دیکھ کر حضرت معاویہؓ پر اتنا سنگین الزام عائد کرنے سے قبل صورت حال کی پوری تحقیق فرمالیتے، ہمارا خیال ہے کہ اگر مولانا اس موقع پر شروح حدیث میں سے کسی بھی مستند کتاب کی مراجعت فرماتے تو کوئی غلط فہمی باقی نہ رہتی۔

واقعہ اصل میں یہ ہے کہ حافظ ابن کثیرؒ نے امام زہریؒ کا یہ مقولہ نہایت اختصار اور اجمال کے ساتھ ذکر کیا ہے، ان کا پورا مقولہ سامنے ہو تو بات بالکل صاف ہو جاتی ہے، مشہور محدث امام بیہقی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی سنن میں ان کا یہ مقولہ ابن جریج کی سند سے پوری تفصیل کے ساتھ درج کیا ہے [۲] اسے ملاحظہ فرمایئے :

"عن الزهری قال کانت دیة الیهودی والنصرانی فی زمن نبی الله صلی الله علیه وسلم مثل دیة المسلم وابی بکر و عمر و عثمان رضی الله عنهم فلما کان معاویة اعطی اهل المقتول النصف والقی النصف فی بیت المال قال ثم قضی عمر بن عبدالعزیز فی النصف والقی ما کان جعل معاویة" [۲]

"امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ یہودی اور نصرانی کی دیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مسلمان کی دیت کے برابر تھی، حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ اور

---

[۱] البدایہ والنہایہ، ص ۱۳۹ ج ۸

[۲] السنن الکبریٰ للبیہقیؒ ص ۱۰۲ ج ۸ دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدر آباد دکن ۱۳۵۴ھ

عثمان رضی اللہ عنہم کے عہد میں بھی ایسا ہی رہا۔ پھر جب حضرت معاویہؓ خلیفہ بنے تو آدھی دیت مقتول کے رشتہ داروں کو دی اور آدھی بیت المال میں داخل کردی، پھر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے دیت تو آدھی ہی رکھی، مگر (بیت المال کا) جو حصہ معاویہؓ نے مقرر کیا تھا وہ ساقط کردیا۔"

اس سے یہ بات تو صاف ہو گئی کہ حضرت معاویہؓ نے آدھی دیت خود لینی شروع نہیں کی تھی بلکہ بیت المال میں داخل کرنے کا حکم دیا تھا۔ لہٰذا حافظ ابن کثیرؒ نے امام زہریؒ کا جو مقولہ نقل کیا ہے اس میں "اخذ النصف لنفسہ" (آدھی خود لینی شروع کردی) سے مراد بیت المال کے لئے لینا ہے نہ کہ اپنے ذاتی استعمال کے لئے۔

اب یہ بات رہ جاتی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہد کی دیت مسلمان کے برابر کی تھی تو حضرت معاویہؓ نے اسے نصف کرکے باقی نصف کو بیت المال میں کیوں داخل کردیا؟ سو حقیقت یہ ہے کہ معاہد کی دیت کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف روایتیں مروی ہیں، اس لئے یہ مسئلہ عہد صحابہؓ سے مختلف فیہ چلا آتا ہے۔ ایک طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اس طرح منقول ہے کہ :

عقل الکافر نصف دیۃ المسلم[۱]

"کافر کی دیت مسلمان کی دیت سے نصف ہوگی"

چنانچہ اسی حدیث کے پیش نظر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اور امام مالکؒ اسی بات کے قائل ہیں کہ معاہد کی دیت مسلمان کی دیت سے نصف ہونی چاہئے[۲] اس کے برخلاف حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

دیۃ ذمی دیۃ مسلم

"ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر ہے"[۳]

چنانچہ امام ابو حنیفہؒ اور حضرت سفیان ثوریؒ کا مسلک اسی حدیث پر مبنی ہے، اور وہ

---

[۱] رواہ احمدؒ و النسائیؒ والترمذی وروی مثلہ ابن ماجۃؒ (نیل الاوطار ص ۶۴ ج ۷ مطبع عثمانیہ ۱۳۵۷ھ)

[۲] نیل الاوطار ص ۶۵ ج ۷ وبدایۃ المجتہد ص ۳۱۳ ج ۲ [۳] السنن الکبریٰ للبیہقیؒ ص ۱۰۲ ج ۸

مسلمان اور معاہد کی دیت میں کوئی فرق نہیں کرتے۔[۱]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چونکہ یہ دونوں روایتیں مروی ہیں، اس لئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد سے دونوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ آدھی دیت مقتول کے ورثاء کو دلوادی اور باقی نصف بیت المال میں داخل کرنے کا حکم دے دیا۔ اس کی ایک عقلی وجہ بھی خود بیان فرمائی، حضرت ربیعہؒ فرماتے ہیں کہ :

"فقال معاویۃؓ ان کان اھلہ اصیبوا بہ فقد اصیب بہ بیت مال المسلمین فاجعلوا لبیت مال المسلمین النصف ولاھلہ النصف خمسمائۃ دینار ثم قتل رجل اخر من اھل الذمۃ فقال معاویۃؓ لوانا نظرنا الی ھذا الذی یدخل بیت المال فجعلناہ وضیعا عن المسلمین وعونا لھم[۲]"

"حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ ذمی کے قتل سے اگر اس کے رشتہ داروں کو نقصان پہنچا ہے تو مسلمانوں کے بیت المال کو بھی نقصان پہنچا ہے (کیونکہ جو جزیہ وہ ادا کیا کرتا تھا وہ بند ہو گیا۔ تقی) لہٰذا دیت کا آدھا حصہ (پانچ سو دینار) مقتول کے رشتے داروں کو دے دو اور آدھا بیت المال کو، اس کے بعد ذمیوں میں سے ایک اور شخص قتل ہوا تو حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ جو رقم ہم بیت المال میں داخل کر رہے ہیں، اگر ہم اس پر غور کریں تو اس سے ایک طرف مسلمانوں کا بوجھ ہلکا ہو اور دوسری طرف یہ ان کے لئے اعانت بھی ہوئی۔

ایک مجتہد کو حق ہے کہ حضرت معاویہؓ کے اس اجتہاد سے علمی طور پر اختلاف کرے لیکن یہ اعتراف ہر غیر جانب دار شخص کو کرنا پڑے گا کہ حضرت معاویہؓ نے اس طرح

---

[۱] نیل الاوطار ص ۵۵ ج ۷ و بدایۃ المجتہد ۳۱۴ ج ۲

[۲] مراسیل ابی داؤدؒ ص ۱۳ مطبوعہ اصح المطابع۔ والجوہر النقی تحت البیہقیؒ ص ۱۰۲ و ۱۰۳ ج ۸، ہم نے یہ الفاظ موخر الذکر سے نقل کئے ہیں، اول الذکر میں "وضیعا عن" کے بجائے "وتیفا علی" کا لفظ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متعارض احادیث میں جس خوبی کے ساتھ تطبیق دی ہے وہ ان کے تفقہ اور علمی بصیرت کی آئینہ دار ہے۔ انصاف فرمائیے کہ ان کے اس حسین فقہی اجتہاد کی تعریف کرنے کے بجائے اسے "قانون کی بالاتری کا خاتمہ" قرار دینا کتنا بڑا ظلم ہے؟

یہاں ایک بات اور واضح کر دینا مناسب ہوگا اور وہ یہ کہ اگرچہ امام زہریؒ کا قول یہی ہے کہ حضرت معاویہؓ سے قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ ذمی کی دیت مسلمان کے برابر قرار دیتے آرہے تھے اور حضرت معاویہؓ نے پہلی بار اس میں تغیر کیا' لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس بارے میں روایات بہت مختلف ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حدیثیں تو ہم ابھی لکھ کر آئے ہیں' حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ سے بھی اس معاملے میں مختلف روایات مروی ہیں' بعض روایات میں تو یہاں تک ہے کہ ان کے عہد میں ذمی کی دیت مسلمان کی دیت سے ایک تہائی وصول کی جاتی تھی۔ مشہور محدث علامہ ابن الترکمانیؒ تحریر فرماتے ہیں :

وعمرؓ وعثمانؓ قد اختلف عنهما[1]

اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ سے مختلف روایات مروی ہیں۔

اسی لئے امام شافعیؒ نے بھی اسی ایک تہائی والے مسلک کو اختیار کیا ہے۔[2]

(۳) مال غنیمت میں خیانت

ایک اسی قسم کا اعتراض مولانا مودودی صاحب نے یہ کیا ہے کہ : ۔

"مال غنیمت کی تقسیم کے معاملے میں بھی حضرت معاویہؓ نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے صریح احکام کی خلاف ورزی کی۔ کتاب و سنت کی رو سے پورے مال غنیمت کا پانچواں حصہ بیت المال میں داخل ہونا چاہئے اور باقی چار حصے اس فوج میں تقسیم ہونا چاہئے جو لڑائی میں شریک ہوئی ہو' لیکن حضرت معاویہؓ نے حکم دیا کہ مال غنیمت میں سے چاندی سونا ان کے

---

[1] الجوہر النقی تحت سنن البیہقی ص ۱۰۳ ج ۸ مزید ملاحظہ ہو نیل الاوطار ص ۶۵ ج ۷

[2] نیل الاوطار بحوالہ مذکورہ و بدایۃ المجتہد ص ۳۱۴ ج ۲

لئے الگ نکال دیا جائے' پھر باقی مال شرعی قاعدے کے مطابق تقسیم کیا جائے۔" (ص : ۱۷۴)

اس اعتراض کی سند میں مولانا نے پانچ کتابوں کے حوالے دیئے ہیں 'جن میں سے ایک البدایہ والنہایہ صفحہ ۲۹ جلد ۸ کا حوالہ بھی ہے 'ہم یہاں اس کی اصل عبارت نقل کرتے ہیں : ۔

وفی هذه السنة غزا الحکم بن عمرو نائب زیاد علی خراسان جبل الاسل عن امر زیاد فقتل منهم خلقا کثیرا وغنم اموالاً جمة فکتب الیه زیاد:

ان امیر المومنین قد جاء کتابه ان یصطفی له کل صفراء و بیضاء یعنی الذهب والفضة۔ یجمع کله من هذه الغنیمة لبیت المال فکتب الحکم بن عمرو : ان کتاب الله مقدم علی کتاب امیر المومنین' وانه والله لو کانت السماوات والارض علی علو فاتقی الله یجعل له مخرجا' ثم نادی فی الناس ان اغدوا علی قسم غنیمتکم فقسمها بینهم وخالف زیادا فیما کتب الیه عن معاویة وعزل الخمس کما امر الله ورسوله[1]

"اسی سال خراسان میں زیاد کے نائب حضرت حکم بن عمروؓ نے زیاد کے حکم سے جبل الاسل کے مقام پر جہاد کیا بہت سے آدمیوں کو قتل کیا اور بہت سامال غنیمت حاصل کیا' تو زیاد نے انہیں لکھا کہ :

امیر المومنین کا خط آیا ہے کہ سونا چاندی ان کے لئے الگ کرلیا جائے اور اس مال غنیمت کا سارا سونا چاندی بیت المال کے لئے جمع کیا جائے۔ حکم بن عمروؓ نے جواب میں لکھا کہ اللہ کی کتاب امیرالمومنین کے خط پر مقدم ہے' اور خدا کی قسم اگر آسمان وزمین کسی کے دشمن ہو جائیں اور وہ اللہ سے ڈرے تو اللہ اس کے لئے کوئی نہ کوئی راہ نکال لیتا ہے پھر

[1] البدایہ والنہایہ ص ۲۹: ج ۸

انہوں نے لوگوں میں اعلان کیا کہ تم اپنے مال غنیمت کو تقسیم کرنا شروع کردو، چنانچہ اس مال غنیمت کو انہوں نے لوگوں کے درمیان تقسیم کردیا۔ اور زیاد نے حضرت معاویہؓ کی طرف منسوب کر کے جو کچھ انہیں لکھا تھا، اس کی مخالفت کی اور مال غنیمت کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق بیت المال کے لئے الگ کیا۔"

اس عبارت کا مولانا مودودی صاحب کی عبارت کے ساتھ مقابلہ فرمایئے تو مندرجہ ذیل فرق واضح طور پر نظر آئیں گے :

(۱) البدایہ والنہایہ کی اس عبارت میں صاف تصریح ہے کہ اس حکم کی رو سے حضرت معاویہؓ کی ذات کے لئے سونا چاندی نکالنے کا ارادہ نہیں تھا بلکہ بیت المال کے لئے نکالنا پیش نظر تھا۔ حافظ ابن کثیرؒ حکم کے الفاظ صاف لکھ رہے ہیں کہ : ۔

یجمع کله من هذه الغنیمة لبیت المال

"اس مال غنیمت میں سے سارا سونا چاندی بیت المال کے لئے جمع کیا جائے۔"

مگر مولانا مودودی اسی عبارت کے حوالے سے یہ تحریر فرماتے ہیں کہ : ۔

"حضرت معاویہؓ نے حکم دیا کہ مال غنیمت میں سے چاندی، سونا ان کے لئے الگ نکال لیا جائے۔" (ص : ۱۷۴)

ہمارا ناطقہ قطعی طور پر سربگریباں ہے کہ اس تفاوت کی کیا تاویل کیا توجیہہ کریں؟"

(۲) مولانا مودودی کی عبارت کو پڑھ کر ہر پڑھنے والا یہ تاثر لے گا کہ جن تواریخ کا مولانا نے حوالہ دیا ہے ان میں صراحت کے ساتھ حضرت معاویہؓ کا یہ حکم براہ راست منقول ہوگا، اسی حکم کو دیکھ کر مولانا نے یہ عبارت لکھی ہے لیکن آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ البدایہ والنہایہ میں اور اسی طرح باقی تمام تواریخ میں حضرت معاویہؓ کا براہ راست کوئی حکم منقول نہیں بلکہ زیاد نے ان کی طرف منسوب کر کے اپنے ایک نائب کو ایسا لکھا تھا[۱] اور یہ بات کسی تاریخ سے

---

[۱] اسی وجہ سے حافظ ابن کثیرؒ نے بھی یہ الفاظ لکھے ہیں کہ خالف زیادا فیما کتب الیه عن معاویة" اور خالف معاویہ نہیں فرمایا:

ثابت نہیں ہے کہ حضرت معاویہؓ نے واقعۃً زیاد کو ایسا لکھا تھا یا زیاد نے خواہ مخواہ ان کی
طرف یہ غلط بات منسوب کردی تھی؟

(۳) مولانا مودودی نے اس "حکم" کا تو ذکر فرمایا ہے لیکن یہ نہیں بتلایا کہ اس حکم کی تعمیل
سرے سے کی ہی نہیں گئی۔ چنانچہ اگر اصل کتابوں کی مراجعت نہ کی جائے تو ہر پڑھنے والا
سمجھے گا کہ یقیناً اس حکم کی تعمیل بھی کی گئی ہوگی۔ حالانکہ آپ نے دیکھا البدایہ والنہایہ میں
صاف تصریح ہے کہ حضرت حکم بن عمروؓ نے اس مجمل حکم کی بھی تعمیل نہیں فرمائی۔

(۴) مولانا مودودی صاحب کی عبارت سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے یہ حکم
مستقل طور سے جاری کردیا ہوگا۔ حالانکہ اگر زیاد کو سچا مان لیا جائے تو بھی زیادہ سے زیادہ
حکم ایک خاص جہاد سے متعلق تھا۔ گویا صورتحال تاریخ کی روشنی میں یہ ہے کہ زیاد نے
اپنے ایک نائب کو خط لکھتے وقت یہ لکھا تھا کہ حضرت معاویہؓ نے لکھا ہے کہ جبل الاسل
جہاد میں جو مال غنیمت ملا ہے اس میں سے سونا چاندی بیت المال کے لئے الگ کرلیا جائے
نائب کو زیاد کا یہ خط ملا مگر اس نے اس حکم کو کتاب اللہ کے خلاف سمجھ کر اس کی تعمیل
کی، لیکن مولانا نے آگے پیچھے کی تمام باتوں کو چھوڑ دیا اور حضرت معاویہؓ پر مال غنیمت
تقسیم کے معاملہ میں کتاب وسنت کی "صریح خلاف ورزی" کا الزام لگا کر براہ راست لکھ
کہ :

"حضرت معاویہؓ نے حکم دیا کہ مال غنیمت میں سے سونا چاندی ان کے لئے
الگ نکال لیا جائے۔"

تاریخ کے اندر اس سلسلے میں جو کچھ لکھا ہے اسے ہم نے اوپر بعینہٖ نقل کردیا ہے
اب مولانا مودودی کی عبارت سے قطع نظر کرکے اصل عبارت پر آپ غور فرمائیں گے
ممکن ہے کہ ذہن میں یہ شبہ پیدا ہو کہ اگر حضرت معاویہؓ کا یہ حکم شریعت کے مطابق تھا
حضرت حکم بن عمروؓ نے جو خود صحابہؓ میں سے ہیں، اس پر اتنی خفگی کا اظہار کیوں فرمایا؟ ا
اسے کتاب اللہ کے خلاف کیوں قرار دیا؟ اس شبہ کے جواب میں عرض ہے کہ جتنی توا
ہم نے دیکھی ہیں، ان سب میں یہ واقعہ اس قدر اجمال کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے کہ اس
صحیح صورتحال کا پتہ لگانا تقریباً ناممکن ہے۔

اول تو زیاد کا واسطہ ہی مخدوش ہے، کچھ پتہ نہیں کہ حضرت معاویہؓ نے واقعۃً ا

مضمون کا خط لکھا بھی تھا یا نہیں؟ اور اگر لکھا تھا تو اس کے الفاظ کیا تھے؟ اور ان کا واقعی منشاء کیا تھا؟ زیاد نے ان کے الفاظ روایت بالمعنی (INDIRECT NARRATION) کے طور پر ذکر کئے ہیں جس میں ردّوبدل کی بہت کچھ گنجائش ہے۔

اور اگر فرض کرلیا جائے کہ زیاد نے کسی بددیانتی یا غلط فہمی کے بغیر حضرت معاویہؓ کا خط درست طور پر نقل کیا ہو تب بھی عین ممکن ہے کہ اس وقت بیت المال میں سونے چاندی کی کمی ہو' اور حضرت معاویہؓ اپنے اندازے یا کسی اطلاع کی بناء پر یہ سمجھے ہوں کہ جبل الاسل کے جہاد میں جو سونا چاندی ہاتھ آیا ہے وہ کل مال غنیمت کے پانچویں حصے سے زائد نہیں ہے اس لئے انہوں نے بیت المال کی کمی کو پورا کرنے کے لئے یہ حکم جاری فرمایا ہو کہ مال غنیمت میں سے جو پانچواں حصہ بیت المال کے لئے بھیجا جائے گا اس میں دیگر اشیاء کے بجائے صرف سونا چاندی ہی بھیجا جائے۔ ظاہر ہے یہ حکم کسی طرح کتاب وسنت کے خلاف نہ تھا لیکن حضرت حکم بن عمروؓ نے اس پر اس لئے ناراضگی کا اظہار فرمایا کہ فی الواقعہ مال غنیمت کے طور پر ملنے والا سونا چاندی پانچویں حصہ سے زائد تھا۔ ایسی صورت میں وہ سارا سونا چاندی بیت المال میں داخل کرنے کو کتاب اللہ کے خلاف تصور کرتے تھے۔

غرض کہ اس مجمل واقعہ کی بہت سی توجیہات ممکن ہیں۔ اب یہ بات عقل اور دیانت کے قطعی خلاف ہوگی کہ ہم ان قوی احتمالات کو قطعی طور پر رد کردیں جن سے حضرت معاویہؓ کی مکمل براءت واضح ہوتی ہو' اور جو ضعیف احتمالات ان کی ذات والا صفات کو مجروح کرتے ہوں انہیں اختیار کرکے بلا تامل یہ حکم لگادیں کہ "حضرت معاویہؓ نے مال غنیمت کی تقسیم کے معاملے میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے صریح احکام کی خلاف ورزی کی۔"

حضرت علیؓ پر سبّ و شتم

مولانا مودودی صاحب نے "قانون کی بالاتری کا خاتمہ" کے عنوان کے تحت حضرت معاویہؓ پر چوتھا اعتراض یہ کیا ہے کہ :-

> "ایک اور نہایت مکروہ بدعت حضرت معاویہؓ کے عہد میں یہ شروع ہوئی کہ وہ خود اور ان کے حکم سے ان کے تمام گورنر، خطبوں میں بر سر منبر حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سبّ و شتم کی بوچھاڑ کرتے تھے، حتیٰ کہ مسجد نبویؐ میں منبر رسولؐ پر عین روضہ نبویؐ کے سامنے حضورؐ کے محبوب ترین عزیز کو گالیاں دی جاتی تھیں اور حضرت علیؓ کی اولاد اور ان کے قریب ترین رشتہ دار اپنے کانوں سے یہ گالیاں سنتے تھے، کسی کے مرنے کے بعد اس کو گالیاں دینا شریعت تو درکنار، انسانی اخلاق کے بھی خلاف ہے اور خاص طور پر جمعہ کے خطبہ کو اس گندگی سے آلودہ کرنا تو دین و اخلاق کے لحاظ سے سخت گھناؤنا فعل تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے آکر اپنے خاندان کی دوسری غلط روایات کی طرح اس روایت کو بھی بدلا اور خطبہ جمعہ میں سبّ علیؓ کی جگہ یہ آیت پڑھنی شروع کردی :-
>
> ان اللہ یامر بالعدل والاحسان ...الخ(ص : ۱۷۴)

مولانا نے اس عبارت میں تین دعوے کئے ہیں، ایک یہ کہ حضرت معاویہؓ حضرت علیؓ پر خود سبّ و شتم کی بوچھاڑ کرتے تھے، دوسرے یہ کہ انکے تمام گورنر یہ حرکت کرتے تھے، تیسرے یہ کہ یہ گورنر حضرت معاویہؓ کے حکم سے ایسا کرتے تھے۔ اب تینوں دعوؤں کا اصل مآخذ میں مطالعہ کیجئے:

جہاں تک پہلے دعوے کا تعلق ہے سو حضرت معاویہؓ کی طرف اس "مکروہ بدعت" کو منسوب کرنے کے لئے انہوں نے تین کتابوں کے پانچ حوالے پیش کئے ہیں (طبری جلد ۴ ص

۱۸۸' ابن اثیر ج ۳ ص ۲۳۴ ج ۴ ص ۱۵۴' البدایہ ج ۹ ص ۸۰) ہم نے ان میں سے ایک ایک حوالہ کو صرف مذکورہ صفحات ہی پر نہیں بلکہ ان کے آس پاس بھی بنظر غائر دیکھا' ہمیں کسی بھی کتاب میں یہ کہیں نہیں ملا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ "خود" حضرت علیؓ پر بر سر منبر سب و شتم کی بوچھاڑ کرتے تھے لیکن چونکہ مولانا نے تصریح کے ساتھ لکھا ہے کہ اس "انسانی اخلاق کے خلاف" فعل کا ارتکاب وہ "خود" کیا کرتے تھے۔ اس لئے ہم نے سوچا کہ شاید مولانا نے ایسی کوئی روایت کسی اور مقام پر دیکھ لی ہو اور اس کا حوالہ دینا بھول گئے ہوں' چنانچہ ہم نے مذکورہ تمام کتابوں کے متوقع مقامات پر دیر تک جستجو کی کہ شاید کوئی گری پڑی روایت ایسی مل جائے لیکن یقین فرمائیے کہ ایسی کوئی بات ہمیں کسی کتاب میں نہیں ملی' پھر بعض ان تواریخ کی طرف بھی رجوع کیا جن کے بارے میں مولانا کو اعتراف ہے کہ ان کے مصنف شیعہ تھے۔ مثلاً مسعودی کی مروج الذہب' لیکن اس میں بھی ایسی کوئی بات نہیں ملی۔

اس کے برعکس اس جستجو کے دوران ایسی متعدد روایات ہمیں ملیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت معاویہؓ حضرت علیؓ سے اختلاف کے باوجود ان کا کس قدر احترام کرتے تھے؟ ان میں چند روایات ملاحظہ فرمائیے:

(۱) حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:۔

لما جاء خبر قتل علیؓ الی معاویۃؓ جعل یبکی' فقالت لہ امرأتہ اتبکیہ وقد قاتلتہ فقال ویحک انک لا تدرین ما فقد الناس من الفضل والفقہ والعلم [1]

"جب حضرت معاویہؓ کو حضرت علیؓ کے قتل ہونے کی خبر ملی تو وہ رونے لگے۔ ان کی اہلیہ نے ان سے کہا کہ آپ اب ان کو روتے ہیں حالانکہ زندگی میں' ان سے لڑ چکے ہیں؟ حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ تمہیں پتہ نہیں کہ آج لوگ کتنے علم و فضل اور فقہ سے محروم ہو گئے۔"

یہاں حضرت معاویہؓ کی اہلیہ محترمہ نے یہ اعتراض تو کیا کہ اب آپ انہیں کیوں روتے ہیں جب کہ زندگی میں ان سے لڑتے رہے' لیکن یہ نہیں کہا کہ زندگی میں تو آپ ان پر سبّ وشتم

---

[1] البدایہ والنہایہ ص ۱۳۰ ج ۸

کیا کرتے تھے' اب ان پر کیوں روتے ہیں؟

(۲) امام احمد فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت بسر بن ارطاةؓ نے حضرت معاویہؓ اور حضرت زید بن عمر بن خطابؓ کی موجودگی میں حضرت علیؓ کو کچھ برا بھلا کہا' حضرت معاویہؓ نے اس پر انہیں توبیخ کرتے ہوئے فرمایا

نشتم علیا وھو جدہ

"تم علیؓ کو گالی دیتے ہو حالانکہ وہ ان کے دادا ہیں۔" [1]

(۳) علامہ ابن اثیر جزریؒ نے حضرت معاویہؓ کا جو آخری خطبہ نقل کیا ہے' اس میں ان کے یہ الفاظ بھی موجود ہیں کہ

لن یاتیکم من بعدی الا من انا خیر منہ کما ان من قبلی کان خیر امنی [2]

میرے بعد تمہارے پاس (جو خلیفہ) بھی آئے گا' میں اس سے بہتر ہوں گا' جس طرح مجھ سے پہلے جتنے (خلفاء) تھے مجھ سے بہتر تھے۔

(۴) علامہ ابن عبدالبرؒ نے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت معاویہؓ نے بڑے اصرار کے ساتھ ضرار صدائی سے کہا کہ "میرے سامنے علیؓ کے اوصاف بیان کرو" ضرار صدائی نے بڑے بلیغ الفاظ میں حضرت علیؓ کی غیر معمولی تعریفیں کیں' حضرت معاویہؓ سنتے رہے اور آخر میں رو پڑے' پھر فرمایا

رحم اللہ ابا الحسن' کان واللہ کذالک

اللہ ابوالحسن (علی) پر رحم کرے' خدا کی قسم وہ ایسے ہی تھے۔ [3]

نیز حافظ ابن عبدالبرؒ لکھتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ مختلف فقہی مسائل میں حضرت علیؓ سے خط و کتابت کے ذریعے معلومات حاصل کیا کرتے تھے چنانچہ جب ان کی وفات کی خبر پہنچی تو حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ

---

[1] الطبری ص ۲۴۸ ج ۴ مطبع الاستقامہ بالقاہرة ۱۳۵۸ھ و الکامل لابن الاثیر ص ۵ ج ۴

[2] الکامل لابن الاثیر ص ۲ ج ۴

[3] الاستیعاب تحت الاصابہ ص ۴۴٬۴۳ ج ۳۔۱ المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ' القاہرہ ۱۹۳۰ء

ذھب الفقہ والعلم بموت ابن ابی طالبؓ

"ابن ابی طالبؓ کی موت سے فقہ اور علم رخصت ہو گئے۔"[۱]

غرض اس جستجو کے دوران ہمیں اس قسم کی تو کئی روایتیں ملیں، لیکن کوئی ایک روایت بھی ایسی نہ مل سکی جس سے یہ پتہ چلتا ہو کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ (معاذ اللہ) خطبوں میں حضرت علیؓ پر سبّ و شتم کی بوچھاڑ کیا کرتے تھے۔ خدا ہی جانتا ہے کہ مولانا مودودی صاحب نے حضرت معاویہؓ پر یہ الزام کس بنیاد پر کس دل سے عائد کیا ہے؟

پھر دوسرا دعویٰ مولانا نے یہ کیا ہے کہ "ان کے حکم سے ان کے تمام گورنر خطبوں میں برسر منبر حضرت علیؓ پر سبّ وشتم کی بوچھاڑ کرتے تھے۔"

ظاہر ہے کہ مولانا کا یہ دعویٰ اس وقت تو ثابت ہو سکتا ہے جب وہ حضرت معاویہؓ کے "تمام گورنروں" کی ایک فہرست جمع فرما کر ہر ایک گورنر کے بارے میں یہ ثابت فرمائیں کہ ان میں سے ہر ایک نے انفرادی یا اجتماعی طور پر (معاذ اللہ) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گالیاں دی تھیں، نیز اس بات کا بھی ثبوت ان کے پاس ہو کہ ان میں سے ہر ایک کو انفرادی یا اجتماعی طور پر حضرت معاویہؓ نے یہ حکم دیا تھا کہ حضرت علیؓ پر سبّ وشتم کی بوچھاڑ کیا کرو۔

لیکن اپنے اس الزام کی تائید میں جو حوالے مولانا نے پیش کئے ہیں ہم نے ان کی طرف رجوع کیا تو ان میں سے ایک بات بھی صحیح ثابت نہیں ہو سکی۔ اول تو یہ سمجھ لیجئے کہ مولانا کے دیئے ہوئے پانچ حوالوں میں حضرت معاویہؓ کے صرف دو گورنروں کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ وہ حضرت علیؓ کی مذمت کیا کرتے تھے، ایک حضرت مغیرہ بن شعبہؓ، دوسرے مروان بن الحکم[۲]۔ اگر ان روایات کو تھوڑی دیر کے لئے درست مان لیا جائے تو زیادہ سے

---

[۱] الاستیعاب تحت الاصابہ ص ۴۵ ج ۳، ذکر سیدنا علیؓ بن ابی طالب

[۲] طبری ج ۴ ص ۱۸۸ اور کامل ابن اثیر ص ۲۳۴ ج ۳ کا حوالہ مولانا نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے متعلق دیا ہے اور البدایہ ص ۲۵۹ ج ۸ کا حوالہ مروان بن الحکم سے متعلق ہے۔ رہ گیا البدایہ ص ۸۰ ج ۹ کا حوالہ سو اس میں حجاج بن یوسف کے بھائی محمد بن یوسف الثقفی کا ذکر ہے جو حضرت معاویہؓ کا نہیں بلکہ ان کے بہت بعد ولید بن عبدالملک کا گورنر تھا۔ اسی طرح ابن اثیر ص ۱۵۴ ج ۴ میں بنوامیہ کے خلفاء کا عمومی تذکرہ ہے حضرت معاویہؓ یا ان کے کسی گورنر کا نہیں۔

زیادہ حضرت معاویہؓ کے دو گورنروں پر یہ الزام لگایا جاسکتا ہے کہ وہ حضرت علیؓ کو برا بھلا کہا کرتے تھے۔ اس سے آخر یہ کیسے لازم آگیا کہ حضرت معاویہؓ کے "تمام گورنر" خود حضرت معاویہؓ کے حکم سے ایسا کیا کرتے تھے۔ یہ "تمام گورنر" کا الزام تو ایسا ہے کہ اسے شاید کسی موضوع روایتوں کے مجموعے سے بھی ثابت نہ کیا جاسکے۔

اس کے بعد اب ان دو روایتوں کی حقیقت بھی سن لیجئے جن میں حضرت مغیرہ بن شعبہؓ اور مروان بن الحکم کے بارے میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ (معاذ اللہ) حضرت علیؓ پر سبّ و شتم کیا کرتے تھے۔

پہلی روایت اصلاً علامہ ابن جریر طبریؒ نے اپنی سند کے ساتھ ذکر کی ہے اور انہیں سے نقل کرکے ابن اثیر جزریؒ نے اپنی تاریخ الکامل میں اسے درج کردیا ہے، روایت کے الفاظ یہ ہیں: -

"قال هشام بن محمد عن ابی مخنف عن المجالد بن سعيد والصقعب بن زهير و فضيل بن خديج والحسين بن عقبة المرادى قال كل قد حدثنى بعض هذا الحديث فاجتمع حديثهم فيما سقت من حديث حجر بن عدى الكندى واصحابه ان معاويةؓ بن ابى سفيان لما ولى المغيرة بن شعبة فى جمادى سنة ۴۱ دعاه فحمد الله واثنى عليه ثم قال اما بعد... وقد اردت ايصاءك باشياء كثيرة فانا تاركها اعتماداً على بصرك بما يرضينى ويسعد سلطانى ويصلح به رعيتى ولست تاركاً ايصاءك بخصلة لاتتحم عن شتم على و ذمه والترحم على عثمان والاستغفار له والعيب على اصحاب على والاقصاء لهم وترك الاستماع منهم... قال ابو مخنف قال الصقعب بن زهير سمعت الشعبى يقوله.. واقام المغيرة على الكوفة عاملا لمعاوية سبع سنين واشهراً وهو من احسن شيئى سيرة واشده حبا للعافية غير انه لايدع ذم على والوقوع فيه [1]"

---

[1] الطبری: ص ۱۸۷، ۱۸۸ ج ۴

"ہشام بن محمد نے ابو مخنف سے' اور انہوں نے مجالد بن سعید' صقعب ابن زہیر' فضیل بن خدیج اور حسین بن عقبہ مرادی سے راویت کیا ہے کہ ابو مخنف کہتے ہیں کہ ان چاروں نے مجھے آئندہ واقعہ کے تھوڑے تھوڑے ٹکڑے سنائے' لہٰذا حجر بن عدی کندی کا جو واقعہ میں آگے سنا رہا ہوں اس میں ان چاروں کی مختلف روایتیں جمع ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ "جب ماہ جمادی ۴۱ھ میں معاویہ بن ابی سفیانؓ نے کوفہ پر مغیرہ بن شعبہؓ کو گورنر بنایا تو انہیں بلا کر پہلے اللہ کی حمد وثنا کی' پھر کہا کہ..... میرا ارادہ تھا کہ میں تمہیں بہت چیزوں کی نصیحت کروں' لیکن چونکہ مجھے اعتماد ہے کہ تم مجھے راضی رکھنے' میری سلطنت کو کامیاب بنانے اور میری رعایا کی اصلاح کرنے پر پوری نظر رکھتے ہو' اسلئے میں ان تمام باتوں کو چھوڑتا ہوں۔ البتہ تمہیں ایک نصیحت کرنا میں ترک نہیں کرسکتا وہ یہ کہ علیؓ کی مذمت کرنے اور انہیں گالی دینے سے پرہیز نہ کرنا' عثمانؓ پر رحمت بھیجتے رہنا اور ان کے لئے استغفار کرتے رہنا۔ علیؓ کے اصحاب پر عیب لگانا' انہیں دور رکھنا اور ان کی بات نہ سننا' عثمانؓ کے اصحاب کی خوب تعریف کرنا' انہیں قریب رکھنا اور ان کی باتیں سنا کرنا..... ابو مخنف کہتا ہے کہ صقعب بن زہیر نے کہا کہ میں نے شعبی کو کہتے ہوئے سنا کہ..... مغیرہؓ کوفہ میں' معاویہؓ کے عامل کی حیثیت سے سات سال اور کچھ مہینے رہے وہ بہترین سیرت کے مالک تھے اور عافیت کو تمام لوگوں سے زیادہ پسند کرتے تھے' البتہ وہ علیؓ کی مذمت اور انہیں برا بھلا کہنا نہیں چھوڑتے تھے۔"

یہ ہے وہ روایت جو مولانا کے مذکورہ بیان کی اصل الاصول ہے۔ اور جسے دیکھ کر مولانا نے صرف حضرت مغیرہ بن شعبہؓ پر نہیں بلکہ خود حضرت معاویہؓ اور ان کے تمام گورنروں پر بلا استثناء الزام لگا دیا ہے کہ وہ بر سرِ منبر حضرت علیؓ پر سبّ وشتم کیا کرتے تھے۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر اس روایت کو درست مان لیا جائے تو خود اسی روایت میں آگے چل کر صاف لکھا ہوا ہے کہ وہ حضرت علیؓ کی مذمت کس طرح کیا کرتے تھے؟ ٹھیک اسی صفحہ پر جس پر ابو مخنف کے مذکورہ بالا الفاظ لکھے ہیں' آگے یہ الفاظ بھی ہیں

کہ :

"قام المغیرۃ فقال فی علی و عثمان کما کان یقول و کانت مقالتہ اللھم ارحم عثمان بن عفان و تجاوز عنہ واجزہ باحسن عملہ فانہ عمل بکتابک واتبع سنۃ نبیک صلی اللہ علیہ وسلم وجمع کلمتنا و حقن دماء نا وقتل مظلوما اللھم فارحم أنصارہ واولیاءہ و محبیہ والطالبین بدمہ ویدعو علی قتلتہ [1]"

"حضرت مغیرہ کھڑے ہوئے اور حضرت علیؓ اور عثمانؓ کے بارے میں جو کچھ کہا کرتے تھے وہی کہا۔ ان کے الفاظ یہ تھے کہ یا اللہ عثمانؓ بن عفان پر رحم فرما اور ان سے درگزر فرما اور ان کے بہتر عمل کی انہیں جزا دے' کیونکہ انہوں نے تیری کتاب پر عمل کیا اور تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی اور ہماری بات ایک کردی' اور ہمارے خون کو بچایا اور مظلوم ہو کر قتل ہو گئے' یا اللہ ان کے مددگاروں' دوستوں' محبت کرنے والوں اور ان کے قصاص کا مطالبہ کرنے والوں پر رحم فرما اور وہ ان کے قاتلوں کے لئے بددعا کرتے تھے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ درحقیقت حضرت مغیرہؓ حضرت علیؓ کی ذات پر کوئی شتم نہیں فرماتے تھے' بلکہ وہ قاتلین عثمانؓ کے لئے بددعا کیا کرتے تھے۔ جسے شیعہ راویوں نے حضرت علیؓ پر لعن وطعن سے تعبیر کردیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب راوی حضرت مغیرہ کے الفاظ صراحتاً نقل کررہے ہیں تو فیصلہ ان الفاظ پر کیا جائے گا نہ کہ اس تاثر پر جو ان الفاظ سے راویوں نے لیا۔ یا اس تعبیر پر جو "روایت بالمعنی" (INDIRECT NARRATION) میں انہوں نے اختیار کی۔

پھر دوسری اہم ترین بات یہ ہے کہ حافظ ابن جریرؒ نے یہ روایت جس سند کے ساتھ نقل کی ہے' وہ اول سے آخر تک شیعہ یا کذاب اور جھوٹے راویوں پر مشتمل ہے۔

اس روایت کا پہلا راوی ہشام بن الکلبی ہے جو مشہور راوی محمد بن السائب الکلبی کا بیٹا ہے اس کے بارے میں ابن عساکرؒ کا قول ہے کہ : ۔

---

[1] الطبری ص ۱۸۸: ج ۴

رافضی لیس بثقة

"وہ رافضی ہے، ثقہ نہیں" [1]

اور حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ ابن ابی طی نے اسے امامیہ (شیعوں کا ایک فرقہ) میں شمار کیا ہے اور ابن ابی یعقوب حریؒ فرماتے ہیں کہ :

راویة للمثالب غایة

"انتہا درجے کی مثالب روایت کرتا ہے۔"

پھر دوسرا راوی ابومخنف لوط بن یحییٰ ہے، اس کے بارے میں حافظ ابن عدیؒ فرماتے ہیں :

شیعی محترق صاحب اخبارھم [2]

"جلا بھنا شیعہ ہے اور انہی کی روایت کا ذکر کرتا ہے۔"

تیسرا راوی مجالد بن سعید ہے، ان کے ضعیف ہونے پر تو تمام ائمہ حدیث کا اتفاق ہے ہی، یہاں تک کہ تاریخی روایات میں بھی انہیں ضعیف مانا گیا ہے۔ امام یحییٰ بن سعید قطانؒ کے کوئی دوست کہیں جا رہے تھے، انہوں نے پوچھا۔ کہاں جا رہے ہو۔"

انہوں نے کہا۔ "وہب بن جریر کے پاس جا رہا ہوں، وہ سیرت کی کچھ کتابیں اپنے باپ سے بواسطہ مجالد سناتے ہیں۔" یحییٰ بن سعید نے فرمایا "تم بہت جھوٹ لکھ کر لاؤ گے۔" [3]

اس کے علاوہ اشج کا قول ہے کہ۔ یہ "شیعہ ہے" [4]

چوتھے راوی فضیل بن خدیج ہیں، ان کے بارے میں حافظ ذہبیؒ اور حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ ابو حاتم کا قول ہے کہ فضیل بن خدیج اشتر کے غلام سے روایت کرتا ہے، مجہول ہے

---

[1] لسان المیزان ص ۱۹۶ ج ۶ دائرۃ المعارف ۱۳۳۰ھ

[2] ایضاً ص ۱۹۷ ج ۶

[3] ابو حاتم الرازیؒ : کتاب الجرح و التعدیل ص ۳۶۱ ج ۴ قسم اول، دائرۃ المعارف دکن ۱۳۷۲ھ و تہذیب التہذیب ایضاً ص ۴۰ ج ۱۰ سن ۱۳۲۶ھ

[4] میزان الاعتدال ص ۴۳۸ ج ۳

اور جو راوی اس سے روایت کرتا ہے وہ متروک ہے۔[1] ان کے علاوہ دو راوی جن کا ذکر ابو مخنف نے کیا ہے' یعنی مقعب بن زہیر اور فضیل بن خدیج' وہ تو سرے سے مجہول ہی ہیں۔[2]

اب آپ غور فرمائیے کہ جس روایت کے تمام راوی ازاول تا آخر شیعہ ہوں' اور ان میں سے بعض نے مقصد ہی یہ بنا رکھا ہو کہ صحابہ کرامؓ کی طرف بری بھلی باتیں منسوب کریں۔ کیا ایسی روایت کے ذریعے حضرت معاویہؓ یا حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کے خلاف کوئی الزام عائد کرنا سراسر ظلم نہ ہو گا؟ مولانا مودودی نے لکھا ہے کہ: میں نے قاضی ابوبکر بن العربی اور علامہ ابن تیمیہؒ کی کتابوں پر اعتماد کرنے کے بجائے خود تحقیق کر کے آزادانہ رائے قائم کرنے کا راستہ اس لئے اختیار کیا ہے کہ ان بزرگوں نے اپنی کتابیں شیعوں کی رد میں لکھی ہیں لہٰذا ان کی حیثیت "وکیل صفائی" کی سی ہو گئی ہے۔[3]

اب مولانا مودودی صاحب خود ہی انصاف فرمائیں کہ کیا یہ غیر جانبداری کا تقاضا ہے کہ "وکیل صفائی" کی بات تو سنی ہی نہ جائے۔ خواہ وہ کتنی ثقہ' قابل اعتماد اور قابل احترام شخصیت ہو' اور دوسری طرف "مدعی" کی بات کو بے چوں وچرا تسلیم کر لیا جائے' خواہ وہ کتنا ہی جھوٹا اور افتراء پرداز ہو؟ قاضی ابوبکر بن عربیؒ اور ابن تیمیہؒ (معاذ اللہ) حضرت علیؓ کے دشمن نہیں' صرف حضرت معاویہؓ کے ثقہ دوست ہیں۔ دوسری طرف ہشام بن الکلبی اور ابو مخنف حضرت معاویہؓ کے کھلے دشمن ہیں۔ اور ان کی افتراء پردازی ناقابل تردید دلائل کے ساتھ ثابت ہے' یہ آخر غیر جانب داری کا کون سا تقاضا ہے کہ پہلے فریق کی روایات سے صرف ان کے "حب معاویہؓ" کی وجہ سے یکسر پرہیز کیا جائے اور دوسرے فریق کی روایات پر ان کے "بغض معاویہؓ" کے باوجود کوئی تنقید ہی نہ کی جائے؟

مولانا مودودی نے ایک جگہ لکھا ہے کہ :

---

[1] میزان الاعتدال ص ۳۳۴ ج ۲ و لسان المیزان ص ۳۵۳ ج ۴

[2] مقعب بن زہیر کو اگرچہ امام ابو زرعہؒ نے ثقہ قرار دیا ہے مگر اس کے بارے میں ابو حاتم رازیؒ فرماتے ہیں شیخ لیس بمشہور (الجرح والتعدیل ص ۴۵۵ ج ۲ قسم ۱) اور فضیل کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ھو مجھول روی عنہ رجل متروک الحدیث (ص ۷۲ ج ۳ قسم ۲)

[3] خلافت و ملوکیت: ص ۳۲۰

"بعض حضرات تاریخی روایات کو جانچنے کے لئے اسماء الرجال کی کتابیں کھول کر بیٹھ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں فلاں راویوں کو ائمہ رجال نے مجروح قرار دیا ہے..... یہ باتیں کرتے وقت یہ لوگ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ محدثین نے روایات کی جانچ پڑتال کے یہ طریقے دراصل احکامی احادیث کے لئے اختیار کئے ہیں...... الخ

پھر آگے لکھتے ہیں۔

"اس لئے کوئی معقول وجہ نہیں ہے کہ ابن سعد' ابن عبدالبر' ابن کثیر' ابن جریر' ابن حجر اور ان جیسے دوسرے ثقہ علماء نے اپنی کتابوں میں جو حالات مجروح راویوں سے نقل کئے ہیں انہیں رد کر دیا جائے۔ الخ" (ص ۳۱۷ تا ۳۱۹)

یہاں سب سے پہلے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر تاریخی روایات میں سند کی جانچ پڑتال کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور جو روایتیں ان مؤرخین نے اپنی کتابوں میں درج کر دی ہیں' انہیں بس آنکھ بند کر کے قبول ہی کر لینا چاہیے' تو آخران حضرات نے تقریباً ہر روایت کے شروع میں سند کو نقل کرنے کی زحمت ہی کیوں اٹھائی؟ کیا اس طرز عمل کا واضح مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ روایات کی صحت و سقم کی ذمہ داری اپنے قارئین اور محققین پر ڈال رہے ہیں کہ مواد ہم نے جمع کر دیا' اب یہ تمہارا فرض ہے کہ اسے تحقیق و تنقید کی کسوٹی پر پرکھو اور اہم نتائج اخذ کرنے کے لئے صرف ان روایات پر بھروسہ کرو جو تحقیق و تنقید کے معیار پر پوری اترتی ہوں۔ ورنہ اگر تاریخی روایات کے معاملے میں "اسماء الرجال کی کتابیں کھول کر بیٹھ جانے" کی ممانعت کر دی جائے[1] تو خدارا مولانا مودودی صاحب یہ بتلائیں کہ ابن

---

[1] پھر یہ بات کس قدر عجیب ہے کہ ابو مخنف' کلبی اور ہشام جیسے لوگوں کے حالات دیکھنے کے لئے تو مولانا اسماء الرجال کی کتابیں کھولنے کی اجازت نہیں دے رہے ہیں اور دوسرے مورخین کو قابل اعتماد ثابت کرنے کے لئے ص ۳۰۹ سے ۳۲۰ تک وہ بلا تکلف اسماء الرجال ہی کے علماء اور کتابوں کے حوالے دیتے چلے گئے ہیں۔ ہم یہ سمجھنے سے بالکل قاصر رہے ہیں کہ کیا جرح و تعدیل صرف ان مورخین ہی کے بارے میں کی جا سکتی ہے جن کی کتابیں اس وقت ہمارے پاس موجود ہیں اور ان سے

بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر

جریرؒ نے جو یہ نقل کیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام (معاذ اللہ) اوریا کی بیوی پر فریفتہ ہو گئے تھے اس لئے اسے متعدد خطرناک جنگی مہمات پر روانہ کر کے اسے مروا دیا پھر اس کی بیوی سے شادی کر لی۔ اسے رد کر دینے کی آخر کیا وجہ ہے؟ نیز ابن جریرؒ نے جو اپنی تاریخ میں بے شمار متعارض احادیث نقل کی ہیں' ان میں ترجیح آخر کس بناء پر دی جا سکے گی۔

تطویل سے بچنے کے لئے ہم اس بحث کو یہاں چھوڑتے ہیں کہ حدیث اور تاریخ کے درمیان معیار صحت کے اعتبار سے کیا فرق ہے؟ ہم چونکہ یہاں خاص اس روایت کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں جس سے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کے بارے میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت معاویہؓ کے حکم سے بر سر منبر حضرت علیؓ کی مذمت کیا کرتے تھے۔ اس لئے مختصراً یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ روایت کیوں ناقابل قبول ہے؟ ہمارا خیال ہے کہ تاریخ اور حدیث کے فرق کو ملحوظ رکھنے کے باوجود مندرجہ ذیل وجوہ کی بناء پر مولانا کو بھی تسلیم کرنا چاہیے کہ یہ روایت قطعی طور پر ناقابل اعتماد ہے :

۱۔ اس کے راوی سارے کے سارے شیعہ ہیں' اور کسی روایت سے جو صرف شیعوں سے منقول ہو حضرت معاویہؓ پر طعن کرنا کسی طرح درست نہیں ہے۔

۲۔ اس کے تمام راوی ضعیف یا مجہول ہیں' اور ایسی روایت تاریخ کے عام واقعات کے معاملے میں تو کسی درجہ میں شاید قابل قبول ہو سکتی ہو۔ لیکن اس کے ذریعے کوئی ایسی بات ثابت نہیں ہو سکتی جس سے کسی صحابی کی ذات مجروح ہوتی ہو[۱]۔

حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ

اوپر کے مؤرخین کے حالات کی چھان بین نہیں کرنی چاہئے؟ یا اسماء الرجال کی کتابوں میں سے مؤرخین کی' صرف تعدیل ہی نقل کی جا سکتی ہے اور "جرح" نقل کرنا ممنوع ہے؟ یا صرف ان مورخین کے حالات اسماء الرجال کی کتابوں میں دیکھنے چاہئیں جو ثقہ ہیں اور مجروح مورخین کے حالات کے لئے ان کتابوں کی طرف رجوع نہ کرنا چاہئے؟ ان میں سے کون سی بات ہے جسے صحیح کہا جائے؟

[۱] مولانا نے ایک جگہ لکھا ہے: "بعض حضرات اس معاملے میں یہ نرالا قاعدہ کلیہ پیش کرتے ہیں

بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر

۳۔ یہ روایت درایت کے معیار پر بھی پوری نہیں اترتی' اس لئے کہ اگر حضرت مغیرہ بن شعبہؓ حضرت معاویہؓ کے حکم سے سات سال سے زائد مدت تک منبروں پر کھڑے ہو کر حضرت علیؓ پر "سب وشتم کی بوچھاڑ" کرتے رہے تو :

(الف) اس "سب و شتم" کی روایت کرنے والے تو بے شمار ہونے چاہئیں۔ یہ صرف ایک شخص ہی اس کی روایت کیوں کر رہا ہے؟ اور ایک بھی وہ جو شیعہ ہے اور اس کا جھوٹا ہونا معروف ہے؟

(ب) کیا پوری امت اسلامیہ اپنے "خیر القرون" میں ایسے اہل جرأت اور اہل انصاف سے قطعی طور پر خالی ہو گئی تھی جو اس "مکروہ بدعت" سے حضرت معاویہؓ اور ان کے گورنروں کو روکتے' کیا حضرت حجر بن عدیؒ کے علاوہ کوئی باغیرت مسلمان کوفہ میں موجود نہیں تھا؟

(ج) عدالت و دیانت کا معاملہ تو بہت بلند ہے۔ حضرت معاویہؓ کے عقل و تدبر اور سیاسی بصیرت سے تو ان کے دشمنوں کو بھی انکار نہیں ہو گا' کیا یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ ان جیسا صاحب فراست انسان محض بغض کے جذبات میں بہہ کر ایک ایسا بے فائدہ اقدام کرے جو اس کی حکومت کے استحکام کے لئے خطرہ بن سکتا ہے؟ کوفہ حضرت علیؓ کے معتقدین کا مرکز

حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ

کہ ہم صحابہ کرامؓ کے بارے میں صرف وہی روایات قبول کریں گے جو ان کی شان کے مطابق ہو اور ہر اس بات کو رد کر دیں گے جس سے ان پر حرف آتا ہو خواہ وہ کسی صحیح حدیث ہی میں وارد ہوئی ہو" (ص ۳۰۵) ہمیں معلوم نہیں کہ مولانا کے معترضین میں سے کسی نے یہ "قاعدہ کلیہ" بیان کیا بھی ہے یا نہیں' بہرحال ہم اس قاعدہ کلیہ کو تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ درست مانتے ہیں۔ ہماری نظر میں قاعدہ یہ ہے کہ "ہر اس ضعیف روایت کو رد کر دیا جائے گا جس سے کسی صحابی کی ذات مجروح ہوتی ہو' خواہ وہ روایت تاریخ کی ہو۔ یا حدیث کی" ہمارا خیال ہے کہ مولانا کو اس "قاعدہ کلیہ" پر کوئی اشکال نہ ہونا چاہئے' اس لئے کہ بقول حضرت شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلویؒ صحابہؓ کی عدالت قرآن' سنت متواترہ اور اجماع سے ثابت ہے اور اس کے خلاف کوئی بات ضعیف روایات کے بل پر ثابت نہیں کی جا سکتی۔

تھا۔ کیا حضرت معاویہؓ ان کے سامنے حضرت علیؓ پر سبّ و شتم کروا کر یہ چاہتے تھے کہ حضرت علیؓ کی وفات کے بعد بھی اہل کوفہ سے برابر لڑائی ٹھنی رہے اور وہ کبھی دل سے حضرت معاویہؓ کے ساتھ نہ ہوں؟ کوئی گھٹیا سے گھٹیا سیاست دان بھی کبھی یہ نہیں کر سکتا کہ اپنے مخالف قائد کے مرنے کے بعد اس قائد کے معتقدین کے گڑھ میں بلاوجہ اسے گالیاں دیا کرے۔ ایسا کام وہی شخص کر سکتا ہے جسے لوگوں کو خواہ مخواہ اپنی حکومت کے خلاف بھڑکانے کا شوق ہو۔[1]

ان وجوہ کی بناء پر یہ روایت تو قطعی طور پر ناقابل قبول ہے۔ دوسری روایت جس کا حوالہ مولانا نے دیا ہے البدایہ والنہایہ کی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں۔

"ولما كان (مروان) متوليا على المدينة لمعاوية كان يسب عليا كل جمعة على المنبر، وقال له الحسن بن على: لقد لعن الله اباك الحكم وانت فى صلبه على لسان نبيه فقال: لعن الله الحكم وما ولد والله اعلم"

"جب مروان مدینہ منورہ میں حضرت معاویہؓ کا گورنر تھا، اس وقت وہ ہر جمعہ کو منبر پر کھڑے ہو کر حضرت علیؓ پر سبّ و شتم کیا کرتا تھا، اور اس سے حضرت حسن بن علیؓ نے فرمایا کہ : تیرے باپ حکم پر اللہ نے اپنے نبیؐ کی زبان سے اس وقت لعنت کی تھی جب تو اس کی صلب میں تھا، اور یہ کہا تھا کہ حکم اور اس کی اولاد پر خدا کی لعنت ہو۔[2]

---

[1] جناب مولانا مودودی صاحب تو اس قسم کے درایتی قرائن کی بناء پر بالکل صحیح الاسناد احادیث کو بھی رد کر دینے کے قائل ہیں، چنانچہ حضرت سلیمانؑ کے بارے میں صحیح بخاری کی ایک حدیث کو صحیح الاسناد ماننے کے باوجود مولانا نے اس لئے رد کر دیا ہے کہ وہ درایت کے اس جیسے قرائن کے خلاف ہے، حالانکہ وہ حدیث بھی کوئی "احکامی حدیث" نہیں ہے بلکہ ایک تاریخی واقعہ ہی ہے، کیا اس موقع پر وہ درایت کے ان قرائن کی بناء پر ایک سراسر ضعیف روایت کو رد نہیں فرمائیں گے؟

[2] البدایہ والنہایہ ص ۲۵۹ ج ۸

اگرچہ یہ روایت کئی وجہ سے مشکوک ہے،[1] لیکن اتنی بات کچھ اور روایتوں سے بھی مجموعی طور پر معلوم ہوتی ہے کہ مروان بن الحکم مدینہ منورہ کی گورنری کے دوران حضرت علیؓ کی شان میں کچھ ایسے الفاظ استعمال کیا کرتا تھا جو حضرت علیؓ کو محبوب رکھنے والوں کو ناگوار گذرتے تھے لیکن یہ نازیبا الفاظ کیا تھے؟ ان تاریخی روایتوں میں سے کسی میں ان کا ذکر نہیں البتہ صحیح بخاری کی ایک روایت میں ایک واقعہ اس طرح ذکر کیا گیا ہے کہ :

"ان رجلاً جاء الی سھل بن سعد فقال ھذا فلان لامیر المدینۃ یدعو علیا عند المنبر قال فیقول ماذا قال یقول لہ ابو تراب فضحک و قال واللہ ما سماہ الا النبی صلی اللہ علیہ وسلم وما کان لہ اسم احب الیہ منہ"

"ایک شخص حضرت سہلؓ کے پاس آیا اور بولا کہ امیر مدینہ منبر پر کھڑے ہو کر حضرت علیؓ کو سبّ و شتم کرتا ہے، حضرت سہلؓ نے پوچھا وہ کیا کہتا ہے؟ اس نے کہا کہ انہیں "ابو تراب" کہتا ہے۔ حضرت سہلؓ ہنس پڑے اور فرمایا خدا کی قسم اس نام سے تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پکارا ہے اور آپ کے نزدیک ان کا اس سے پیارا نام کوئی نہ تھا۔"[2]

اگر یہاں "امیر مدینہ" سے مراد مروان ہی ہے، جیسا کہ ظاہر یہی ہے تو اس "سبّ و شتم" کی حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے۔ ابو تراب کے معنی ہیں "مٹی کا باپ" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ کو محبت میں اس نام سے پکارا کرتے تھے، مروان زیادہ سے زیادہ اسے اس کے حقیقی معنوں میں استعمال کرتا ہو گا۔ اگر فرض کیجئے کہ مروان اس سے بھی زیادہ کچھ نازیبا الفاظ حضرت علیؓ کی شان میں استعمال کرتا تھا تو آخر یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ وہ یہ کام حضرت معاویہؓ کے حکم سے کرتا تھا۔ مولانا نے البدایہ کی جس عبارت کا حوالہ دیا ہے، اس

---

[1] اول تو اس لئے کہ یہ پوری عبارت البدایہ والنہایہ کے اصل مصری نسخے میں موجود نہیں ہے دوسرے اس لئے کہ اس کے آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جو الفاظ منسوب کئے گئے ہیں وہ بہت مشکوک ہیں۔

[2] صحیح بخاری کتاب المناقب، باب مناقب علیؓ ص ۵۲۵ جلد اول اصح المطابع کراچی

میں بھی کہیں یہ مذکور نہیں کہ حضرت معاویہؓ نے اسے اس کام کا حکم دیا تھا یا وہ اس کے اس فعل پر راضی تھے۔ ایسی صورت میں یہ الفاظ لکھنے کا کوئی جواز ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرت معاویہؓ :

"خود' اور ان کے حکم سے ان کے تمام گورنر خطبوں میں بر سر منبر حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سبّ و شتم کی بوچھاڑ کرتے تھے۔"

مندرجہ بالا بحث سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ :

۱۔ خود حضرت معاویہؓ کی طرف سبّ و شتم کی جو نسبت مولانا نے کی ہے' اس کا تو کوئی ادنیٰ ثبوت بھی مولانا کے بیان کردہ حوالوں میں' بلکہ کہیں نہیں ہے اور اس کے برعکس حضرت معاویہؓ سے حضرت علیؓ کی تعریف و توصیف کے جملے منقول ہیں۔

۲۔ اسی طرح تمام گورنر کا جو لفظ مولانا نے استعمال کیا ہے وہ بھی بالکل بلا دلیل ہے' مولانا کے بیان کردہ حوالوں میں صرف دو گورنروں کا ذکر ہے۔

۳۔ ان دو گورنروں میں سے ایک یعنی مروان بن الحکم کے بارے میں مولانا کے دیئے ہوئے حوالے کے اندر یا اور کہیں یہ بات موجود نہیں ہے کہ وہ حضرت معاویہؓ کے حکم سے حضرت علیؓ پر سبّ و شتم کیا کرتا تھا۔

۴۔ سبّ و شتم کی بوچھاڑ کا لفظ بھی بلا دلیل ہے' اس لئے کہ مولانا کے دیئے ہوئے حوالے میں تو سبّ و شتم کے الفاظ منقول نہیں۔ صحیح بخاری کی روایت سے جو الفاظ معلوم ہوتے ہیں انہیں "سبّ و شتم" کھینچ تان کر ہی کہا جا سکتا ہے۔

۵۔ دوسرے گورنر حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کے بارے میں مولانا نے حوالہ صحیح دیا ہے لیکن ساتھ ہی اس میں یہ تصریح ہے کہ وہ قاتلین عثمانؓ کے لئے بددعا کیا کرتے تھے۔ دوسرے یہ روایت از اول تا آخر سارے کے سارے شیعہ راویوں سے مروی ہے اور روایت و درایت ہر اعتبار سے واجب الرد ہے۔

استلحاق زیاد

"قانون کی بالاتری کا خاتمہ" کے عنوان کے تحت مولانا مودودی صاحب نے حضرت معاویہؓ پر پانچواں اعتراض یہ کیا ہے کہ :

"زیاد بن سمیّہ کا استلحاق بھی حضرت معاویہؓ کے ان افعال میں سے ہے جن میں انہوں نے سیاسی اغراض کے لئے شریعت کے ایک مسلّم قاعدے کی خلاف ورزی کی تھی' زیاد طائف کی ایک لونڈی سمیّہ نامی کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا لوگوں کا بیان یہ تھا کہ زمانہ جاہلیت میں حضرت معاویہؓ کے والد جناب ابو سفیانؓ نے اس لونڈی سے زنا کا ارتکاب کیا تھا اور اسی سے وہ حاملہ ہوئی' حضرت ابو سفیانؓ نے خود بھی ایک مرتبہ اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ زیاد ان ہی کے نطفہ سے ہے' جوان ہو کر یہ شخص اعلیٰ درجے کا مدبّر' منتظم' فوجی لیڈر اور غیر معمولی قابلیتوں کا مالک ثابت ہوا' حضرت علیؓ کے زمانہ خلافت میں وہ آپ کا زبردست حامی تھا اور اس نے بڑی اہم خدمات انجام دی تھیں' ان کے بعد حضرت معاویہؓ نے اس کو اپنا حامی و مددگار بنانے کے لئے اپنے والد ماجد کی زناکاری پر شہادتیں لیں اور اس کا ثبوت بہم پہنچایا کہ زیاد ان ہی کا ولد الحرام ہے پھر اسی بنیاد پر اسے اپنا بھائی اور اپنے خاندان کا فرد قرار دے دیا۔ یہ فعل اخلاقی حیثیت سے جیسا مکروہ ہے' وہ تو ظاہر ہی ہے مگر قانونی حیثیت سے بھی یہ ایک صریح ناجائز فعل ہے۔ کیوں کہ شریعت میں کوئی نسب زنا سے ثابت نہیں ہوتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا صاف حکم موجود ہے کہ "بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر وہ پیدا اور زانی کے لئے کنکر پتھر ہیں۔" ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ نے اسی وجہ سے اس کو اپنا بھائی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اور اس سے پردہ فرمایا۔" (ص ۱۷۵)

ولانا نے جس افسوسناک انداز سے یہ واقعہ نقل فرمایا ہے اس پر کوئی تبصرہ سوائے اس کے یں کیا جا سکتا کہ اصل تواریخ کی عبارت نقل کر دی جائے۔ قارئین دونوں کا مقابلہ کر کے ود جو چاہیں فیصلہ کر لیں۔

مولانا نے اس واقعے کے لئے چار کتابوں کے حوالے دیئے۔ (الاستیعاب ج ۱ ص ۱۹۶' ن الاثیر ج ۳ ص ۲۲۰' ۲۲۱' البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲۸ اور ابن خلدون ج ۳ ص ۷' ۸) ان میں سے بدایہ والنہایہ میں تو اس واقعے کے سلسلے میں کل سات ہی سطریں لکھی ہیں' جن سے واقعہ کوئی تفصیل ہی نہیں معلوم ہوتی' باقی تین کتابوں میں سے جس کتاب میں یہ واقعہ سب

سے زیادہ مرتب طریقے پر بیان کیا گیا وہ ابن خلدون کی تاریخ ہے جس کا حوالہ مولانا نے سب سے آخر میں دیا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں۔

> "سمیہ[1] جو زیاد کی ماں ہے حارث بن کلدہ طبیب کی لونڈی تھی، اسی کے پاس اس سے حضرت ابو بکرہؓ پیدا ہوئے پھر اس نے اس کی شادی اپنے ایک آزاد کردہ غلام سے کردی تھی، اور اس کے یہاں زیاد پیدا ہوا (واقعہ یہ تھا کہ) ابو سفیان اپنے کسی کام سے طائف گئے ہوئے تھے، وہاں انہوں نے سمیہ سے اس طرح کا نکاح کیا جس طرح کے نکاح جاہلیت میں رائج تھے، اور اس سے مباشرت کی، اسی مباشرت سے زیاد پیدا ہوا اور سمیہ نے زیاد کو ابو سفیان سے منسوب کیا، خود ابو سفیان نے بھی اس نسب کا اقرار کر لیا تھا مگر خفیہ طور پر۔"

آگے لکھتے ہیں :

> جب حضرت علیؓ شہید ہو گئے اور زیاد نے حضرت معاویہؓ سے صلح کر لی تو زیاد نے مصقلہ بن ہبیرۃ شیبانی کو مامور کیا کہ وہ حضرت معاویہؓ کو ابو سفیان کے نسب کے بارے میں بتلائیں، اور حضرت معاویہؓ کی رائے یہ ہوئی کہ اسے استلحاق کے ذریعہ مائل کریں، چنانچہ انہوں نے ایسے گواہ طلب کئے جو اس بات سے واقف ہوں کہ زیاد کا نسب ابو سفیان سے لاحق ہو چکا ہے، چنانچہ بصرہ کے باشندوں میں سے کچھ لوگوں نے اس بات کی گواہی دی اور اکثر شیعان علیؓ اس بات کو برا سمجھتے تھے یہاں تک کہ ان کے بھائی حضرت ابو بکرہؓ بھی"[2]

---

[1] كانت سمية ام زياد مولاة للحارث بن كلدة الطبيب، وولدت عنده ابابكرة ثم زوجها بمولى له وولد... زيادا وكان ابوسفيان قد ذهب الى الطائف فى بعض حاجاته فاصابها بنوع من انكحة الجاهلي... وولدت زيادا هذا ونسبته الى ابى سفيان واقرلها به الا انه كان بخفية (تاریخ ابن خلدون ص ۱۳ ج... ۳ دار الکتاب اللبنانی، بیروت ۱۹۵۷ء)

[2] ولما قتل علیؓ وصالح زياد معاوية، وضع مصقلة بن هبيرة الشيباني على معاوية ليعرض...

بقیہ حاشیہ اگلے صفحے

مولانا کا دوسرا مآخذ کامل ابن اثیر ہے' علامہ ابن اثیر جزریؒ نے شروع میں تو بس یہی لکھا ہے کہ حضرت ابو سفیانؓ نے جاہلیت میں سمیّہ سے مباشرت کی تھی' پھر اس مباشرت کے بارے میں بھی بڑی داستان طرازیاں نقل کی ہیں۔ اس کے بعد لکھا ہے کہ :

"اس کے علاوہ [1] بھی بڑے قصّوں نے رواج پایا جن کے ذکر سے کتاب طویل ہو جائے گی اس لئے ہم ان سے اعراض کرتے ہیں' اور جو لوگ حضرت معاویہؓ کو معذور قرار دیتے ہیں' ان کا کہنا یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ نے زیاد کا استلحاق اس لئے کیا تھا کہ جاہلیت میں نکاح کی بہت سی قسمیں تھیں ان سب قسموں کو ذکر کرنے کی تو ضرورت نہیں' البتہ ان میں سے ایک قسم یہ تھی کہ کسی کسبی عورت سے بہت سے لوگ مباشرت کرتے تھے' پھر جب وہ حاملہ ہو کر بچہ جنتی تو اس بچے کو جس کی طرف چاہتی منسوب کر دیتی تو وہ اس کا بیٹا قرار پا جاتا' جب اسلام آیا تو نکاح کا یہ طریقہ حرام ہو گیا' لیکن نکاح کے جاہلی طریقوں میں سے جس طریقے سے بھی کوئی بچہ کسی باپ کی طرف منسوب ہوا ہو' اسلام کے بعد بھی اس کو اس نسب پر برقرار رکھا گیا اور ثبوت نسب کے معاملے میں کوئی تفریق نہیں کی گئی۔"

ابن خلدونؒ اور ابن اثیرؒ کے ان بیانات سے یہ بات تو صاف ہو گئی کہ حضرت ابو

حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ

بنسب ابی سفیان ففعل' ورأی معاویۃ ان یستمیلہ باستلحاقہ فالتمس الشھادۃ بذلک ممن علم **لحوق** نسبہ بابی سفیان فشھد لہ رجال من اھل البصرۃ والحقہ' وکان اکثر شیعۃ علیؓ ینکرون ذلک و ینقمونہ علی معاویۃ حتی اخوہ ابوبکرۃ **(ابن خلدون ص ۱۵۔ ج ۳)**

[1] وجری اقاصیص یطول بذکرھا الکتاب فاضربنا عنھا ومن اعتذر لمعاویۃ قال انما استلحق معاویۃ زیاد لان انکحۃ الجاھلیۃ کانت انواعا لا حاجۃ الی ذکر جمیعھا وکان منھا ان الجماعۃ یجامعون البغی فاذا حملت وولدت الحقت الولد بمن شاءت منھم فیلحقہ' فلما جاء الاسلام حرم ھذا النکاح الا انہ اقر کل ولد کان ینسب الی اب من ای نکاح کان من انکحتھم علی نسبہ ولم یفرق بین شیء منھا **(کامل ابن اثیر: ص ۱۷۷ ج ۳ طبع قدیم) اس کے بعد کی عبارت اور اس پر تبصرہ آگے آرہا ہے۔**

سفیانؓ نے طائف میں سمیہ سے زنا نہیں بلکہ ایک خاص قسم کا نکاح کیا تھا جو جاہلیت میں جائز سمجھا جاتا تھا اسلام نے اسے ممنوع تو کر دیا مگر اس سے پیدا ہونے والی اولاد کو غیر ثابت النسب یا ولد الحرام قرار نہیں دیا' لیکن آگے چل کر ابن اثیر جزریؒ نے ایک اعتراض یہ کیا ہے کہ :

"حضرت معاویہؓ یہ سمجھے کہ یہ استلحاق جائز ہے' اور انہوں نے جاہلیت اور اسلام کے استلحاق میں فرق نہیں کیا۔ اور یہ فعل ناقابل قبول ہے۔ کیوں کہ اس فعل کے منکر ہونے پر مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ اور اسلام میں اس طرح کا استلحاق کسی نے نہیں کیا کہ اسے حجت قرار دیا جائے۔"

لیکن واقعات کی مجموعی تحقیق کرنے سے ابن اثیر جزریؒ کا یہ اعتراض بھی بالکل ختم ہو جاتا ہے۔ صورت واقعہ یہ ہے کہ اگر حضرت ابو سفیانؓ نے جاہلی نوع کا ایک نکاح کرنے کے بعد زیاد کو اسلام سے قبل اپنا بیٹا قرار نہ دیا ہوتا' اور وہ خود اسلام کے بعد اسے اپنا بیٹا بنانا چاہتے تب تو یہ اعتراض درست ہوتا کہ حضرت معاویہؓ نے جاہلیت اور اسلام کے استلحاق میں فرق نہیں کیا' یہاں واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابو سفیانؓ نے زمانہ جاہلیت ہی میں اپنے ساتھ زیاد کا استلحاق کر لیا تھا۔ البتہ عام لوگوں کے سامنے اس کا اظہار نہیں کیا تھا۔ ابن خلدونؒ صاف لکھتے ہیں کہ :

"وولدت زیاداً ھنا و نسبه الی ابی سفیان واقرلها به الا انه کان بخفية"

سمیہ کے یہاں زیاد پیدا ہوا اور اس نے اسے ابو سفیانؓ سے منسوب کیا اور ابو سفیانؓ نے بھی اس نسب کا اقرار کیا' مگر خفیہ طور پر"۔[1]

زیاد چوں کہ حضرت ابو سفیانؓ کے مسلمان ہونے سے پہلے ہی پیدا ہو چکا تھا'[2] اس لئے یہ استلحاق یقیناً اسلام سے پہلے ہوا تھا۔ البتہ اس کا اظہار لوگوں پر نہیں ہوا تھا۔ جب

---

[1] ابن خلدون : ص ۱۴ ج ۳

[2] کیونکہ حضرت ابو سفیانؓ فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے تھے اور زیاد کی ولادت کے بارے میں چار قول ہیں۔ ہجرت[1] سے پہلے' ہجرت کے[2] سال' غزوہ[3] بدر کے دن' اور ٹھیک[4] فتح مکہ کے سال (استیعاب ص ۵۴۸ ج ۱)

حضرت معاویہؓ کے سامنے دس گواہوں نے (جن میں بعض جلیل القدر صحابہ بھی شامل تھے) اس بات کی گواہی دی کہ حضرت ابو سفیانؓ نے اپنے ساتھ زیاد کے نسب کا اقرار کیا تھا۔ تب حضرت معاویہؓ نے ان کے لئے اس نسب کا اعلان کیا' مشہور محدث حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

"حضرت معاویہؓ نے ۴۴ھ میں ان (زیاد) کا استلحاق کیا' اور اس بات پر زیاد[1] بن اسماء الحرمازی' مالک[2] بن ربیعہ سلولیؓ اور منذر[3] بن زبیر نے شہادت دی تھی' یہ بات مدائنیؒ نے اپنی مختلف سندوں سے روایت کی ہے اور گواہوں میں مندرجہ ذیل ناموں کا اضافہ کیا ہے' جویریہ[4] بنت ابی سفیان' مسور[5] بن قدامہ الباہلی' ابن[6] ابی نصر الثقفی' زید[7] بن نفیل الازدی' شعبہ[8] بن العلقم المازنی' بنو عمرو[9] بن شیبان کا ایک شخص' اور بنو[10] المصطلق کا ایک شخص' ان سب نے ابو سفیانؓ کے بارے میں گواہی دی کہ زیاد ان کا بیٹا ہے البتہ منذر نے گواہی یہ دی تھی کہ میں نے حضرت علیؓ کو یہ کہتے سنا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ ابو سفیانؓ نے یہ بات کہی تھی۔ پھر حضرت معاویہؓ نے خطبہ دیا اور زیاد کا استلحاق کر لیا۔ پھر زیاد بولے' اور انہوں نے کہا کہ جو کچھ ان گواہوں نے کہا ہے اگر وہ حق ہے تو الحمدللہ! اور اگر یہ غلط ہے تو میں نے اپنے اور اللہ کے درمیان ان لوگوں کو ذمہ دار بنا دیا ہے۔[1]

حافظ ابن حجرؒ نے دسویں گواہ کا نام نہیں لکھا ہے' بلکہ "بنو المصطلق کا ایک شخص" کہا ہے' ابو حنیفہ الدینوریؒ (متوفی ۲۸۲ھ) نے ان کا نام یزید لکھا ہے' اور ان کی گواہی اس طرح نقل کی ہے۔

" انہ سمع اباسفیان یقول ان زیادا من نطفۃ اقرھا فی رحم امہ سمیّہ' فتم ادعاؤہ ایاہ " [2]

---

[1] الاصابہ ص ۵۶۳ ج ۱' المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ' القاہرہ ۱۳۵۸ھ "زیاد بن ابیہ"

[2] الدینوریؒ : الاخبار الطوال : ص ۲۱۹ بتحقیق عبدالمنعم عامر' الادارۃ العامۃ للثقافۃ' القاہرہ ۱۹۶۰ء

میں نے ابو سفیانؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ زیاد اس نطفے سے ہے جو میں نے اس کی ماں سمیّہ کے رحم میں ڈالا تھا' لہٰذا یہ ثابت ہو گیا کہ ابو سفیانؓ نے زیاد کے حق میں اپنا بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔"

جن گواہوں کے نام حافظ ابن حجرؒ نے مدائنیؒ کے حوالے سے لکھے ہیں ان میں حضرت مالک بن ربیعہ سلولیؓ صحابہؓ میں سے ہیں اور بیعت رضوان میں شریک رہے ہیں۔[1] ان حالات میں ہماری سمجھ سے باہر ہے کہ حضرت معاویہؓ نے زیاد کا جو استلحاق دس گواہوں کی گواہی پر مجمع عام میں کیا' اس میں شریعت کے کون سے مسلّمہ قاعدے کی خلاف ورزی ہوئی' جبکہ ابن اثیر جزریؒ کی تصریح کے مطابق جاہلی نکاح سے جاہلیت میں پیدا ہونے والی اولاد کو اسلام میں غیر ثابت النسب قرار نہیں دیا جاتا تھا یہی وجہ ہے کہ حضرت معاویہؓ قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ :

"اما واللہ لقد علمت العرب انی کنت اعزھا فی الجاھلیۃ وان الاسلام لم یزدنی الا عزا وانی لم اتکثر بزیاد من قلۃ ولم اتعزز بہ من ذلۃ ولکن عرفت حقا لہ فوضعتہ موضعہ[2]"

"خدا کی قسم! تمام عرب جانتے ہیں کہ جاہلیت میں مجھے تمام عربوں سے زیادہ عزت حاصل تھی' اور ظاہر ہے کہ اسلام نے بھی میری عزت میں ہی اضافہ کیا ہے' لہٰذا نہ تو ایسا ہے کہ میری نفری قلیل ہو اور میں نے زیاد کے ذریعہ اس میں اضافہ کر لیا ہو' اور نہ کبھی میں ذلیل تھا کہ زیاد کی وجہ سے مجھے عزت مل گئی ہو بلکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ میں نے اس کا حق سمجھا ہے اور اسے اس کے حقدار تک پہنچا دیا ہے۔"

کیا مذکورہ بالا واقعات کی روشنی میں حضرت معاویہؓ کے اس حلفیہ بیان کے بعد (جسے مولانا مودودی نے یقیناً ابن اثیر اور ابن خلدون کی تواریخ میں دیکھا ہوگا) یہ کہنے کی کوئی

---

[1] الاصابہ ص ۳۲۴ ج ۳'

[2] ابن الاثیر ص ۲۱۷ ج ۳ طبع قدیم' الطبری ص ۱۴۳ ج ۴ مطبعۃ الاستقامہ بالقاہرہ ۱۳۵۸ھ و ابن خلدونؒ ص ۶ ج ۳ دار الکتاب اللبنانی' بیروت ۱۹۵۷ء تینوں نے یہ مقولہ نقل کیا ہے البتہ ابن خلدون نے صرف خط کشیدہ جملہ لکھا ہے اور اس میں "حق اللہ" کے الفاظ ہیں۔

گنجائش باقی رہتی ہے کہ :

"زیاد بن سمیہ کا استلحاق بھی حضرت معاویہؓ کے ان افعال میں سے ہے جن میں انہوں نے سیاسی اغراض کے لئے شریعت کے ایک مسلّم قاعدے کی خلاف ورزی کی تھی۔(ص : ۱۷۵)

یہی وجہ ہے کہ اس وقت بھی جو حضرات حضرت معاویہؓ کے اس فعل پر اعتراض کررہے تھے، ان میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ زیاد تو زنا سے پیدا ہوا تھا اس لئے اس کا نسب حضرت ابو سفیانؓ سے لاحق نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے بجائے ان کا اعتراض یہ تھا کہ حضرت ابو سفیانؓ نے سمیہ سے مباشرت ہی نہیں کی، حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مخالفت کا بڑا شہرہ ہے لیکن کسی بندۂ خدا نے یہ دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ ان کی وجہ اعتراض کیا تھی؟ حافظ ابن عبد البرؒ نے ان کا یہ قول نقل کیا ہے :

لا واللہ ما علمت سمیۃ رأت ابا سفیان قط

"نہیں، خدا کی قسم مجھے معلوم نہیں کہ سمیہ نے کبھی ابو سفیانؓ کو دیکھا بھی ہے۔"[1]

اور عبد الرحمان بن الحکم نے اس موقع پر حضرت معاویہؓ کی ہجو میں جو شعر کہے تھے، ان میں سے ایک شعر یہ بھی ہے۔

واشھد انھا حملت زیاداً وصخر من سمیّۃ غیر دان [2]

یعنی "میں گواہی دیتا ہوں کہ سمیہؓ کے بطن میں زیاد کا استقرار حمل اس حالت میں ہوا تھا کہ صخر (ابو سفیانؓ) سمیہ کے قریب بھی نہیں تھا۔"

اور ابن مفرغ نے کہا تھا۔

شھدت بان امک لم تباشر ابا سفیان واضعۃ القناع [3]

"میں گواہی دیتا ہوں کہ تیری ماں نے کبھی اوڑھنی اتار کر ابو سفیان کے ساتھ مباشرت ہی نہیں کی۔"

---

[1] الاستیعاب تحت الاصابہ ص ۵۵۰ ج ۱

[2] ایضاً ص ۵۵۱ ج ۱ [3] الاستیعاب ص ۵۵۲ ج ۱

اور وہ ابن عامر جنھیں ایک خاص وجہ سے اس استلحاق کو ناجائز قرار دینے کی سب سے زیادہ خواہش تھی' انہوں نے بھی ایک شخص کے سامنے بس اپنے اس ارادے کا اظہار کیا تھا کہ :

"لقد هممت ان آتي بقسامة من قريش يحلفون ان ابا سفيان لم يرسمية"

"میرا ارادہ ہے کہ میں قریش کے بہت سے قسم کھانے والوں کو لاؤں جو اس بات پر قسم کھائیں کہ ابوسفیانؓ نے کبھی سمیّہ کو دیکھا تک نہیں۔"[1]

سوال یہ ہے کہ یہ تمام معترضین اس بات کو ثابت کرنے پر کیوں زور لگا رہے تھے کہ حضرت ابوسفیانؓ کبھی سمیّہ کے قریب تک نہیں گئے' انہوں نے سیدھی بات یہ کیوں نہیں کہی کہ ابوسفیانؓ اگر سمیّہ کے قریب گئے بھی ہوں تو یہ سراسر زنا تھا' اور زنا سے کوئی نسب ثابت نہیں ہوتا' یہ اس بات کی کھلی علامت ہے کہ ان حضرات کے نزدیک بھی اگر یہ ثابت ہو جائے کہ ابوسفیانؓ نے سمیّہ سے جاہلیت میں مبینہ مباشرت کی تھی تو پھر ان کو بھی زیاد کے استلحاق میں کوئی اعتراض نہیں تھا' ان کو اعتراض صرف یہ تھا کہ ان کے علم کے مطابق ابوسفیانؓ سمیّہ کے قریب تک نہیں گئے' اس لئے زیاد کا استلحاق درست نہیں' لیکن ظاہر ہے کہ ان کا یہ علم حضرت معاویہؓ پر حجت نہیں ہو سکتا۔ حضرت معاویہؓ کے پاس دس قابل اعتماد شہادتیں اثبات پر گزر چکی تھیں ان کے مقابلے میں یہ حضرات ہزار بار نفی پر شہادت دیں تو شرعاً اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

ہم پر تو اس واقعہ کی تمام تفصیلات پڑھنے کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جذبۂ احترامِ شریعت کا غیر معمولی تاثر قائم ہوا ہے۔ غور فرمایئے کہ حضرت معاویہؓ کی شرافت اور فضیلت کا معاملہ تو بہت بلند ہے' ایک معمولی آدمی کے نفس کے لئے بھی یہ بات کس قدر ناگوار ہوتی ہے کہ جس شخص کو کل تک ساری دنیا ولد الحرام اور غیر ثابت النسب کہتی اور سمجھتی آئی تھی آج اسے اپنا بھائی بنا لیا جائے۔ ظاہر ہے کہ حضرت معاویہؓ جیسے جلیل القدر صحابیؓ' سردار اور سردار زادے کیلئے یہ بات کس قدر شاق ہوگی؟ لیکن جب دس گواہوں کے بعد ایسے شخص کو اپنا بھائی قرار دینا "حق اللہ" بن جاتا ہے تو وہ اپنے تمام

---

[1] الطبری ص ۱۶۳ ج ۴

جذبات کو ختم کر کے اور مخالفین کی کھڑی ہوئی صعوبتوں کو جھیل کر پکار اٹھتے ہیں کہ :

عرفت حق اللہ فوضعتہ موضعہ

"میں نے اللہ کے حق کو پہچان لیا۔ اس لئے اسے اس کے حقدار تک پہنچا دیا۔"[1]

یہی وجہ ہے کہ حضرت معاویہؓ کے جن معترضین کو اصل واقعے کا علم ہو تا گیا' انہوں نے اپنے اعتراضات سے رجوع کر لیا۔ حافظ ابن عبدالبرؒ ہی نے نقل کیا ہے کہ عبدالرحمان بن الحکم اور ابن مفرغ جنھوں نے اس واقعہ پر حضرت معاویہؓ کے حق میں ہجویہ اشعار کہے تھے حضرت معاویہؓ کے مذکورہ بالا ارشاد کے بعد انہوں نے بھی اپنے سابقہ رویہ پر شرمندگی ظاہر کی[2]' نیز وہ ابن عامر جن کے بارے میں حافظ ابن جریرؒ نے یہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس استلحاق کی مخالفت کرنے کے لئے نفی پر گواہیاں جمع کرنے کا ارادہ کیا تھا' طبری ہی کی تصریح کے مطابق وہ بھی بعد میں حضرت معاویہؓ سے معافی مانگنے آئے تھے اور حضرت معاویہؓ نے انہیں معاف کر دیا تھا۔[3]

اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ بھی شروع میں اس استلحاق کے خلاف تھیں۔ ابن خلدونؒ نے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ زیاد نے حضرت عائشہ کو "زیاد بن ابی سفیان" کے نام سے خط لکھا' مقصد یہ تھا کہ حضرت عائشہؓ بھی جواب میں "زیاد بن ابی سفیان" لکھ دیں گی تو اسے اپنے استلحاق نسب کی سند مل جائے گی۔ لیکن حضرت عائشہؓ نے جواب میں یہ الفاظ لکھے کہ :

"من عائشۃ ام المومنین الی ابنھا زیاد"

"تمام مومنین کی ماں کی طرف سے اپنے بیٹے زیاد کے نام۔"[4]

لیکن بعد میں جب حقیقت حال سامنے آئی تو خود حضرت عائشہؓ نے زیاد کو "زیاد بن ابی سفیان" کے نام سے خط لکھا۔ حافظ ابن عساکرؒ نے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ مرہ قبیلے کے

---

[1] ابن خلدون' ص ۱۶ ج ۳

[2] الاستیعاب ص ۵۵۱ تا ۵۵۵ ج ۱ (تحت الاصابہ)

[3] الطبری ص ۱۶۳ ج ۴

[4] ابن خلدونؒ ص ۱۶ ج ۳

لوگ زیاد کے پاس حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کا سفارشی خط لے جانا چاہتے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ زیاد کو "ابن ابی سفیان" لکھتے ہوئے ہچکچا رہے تھے۔ اس لئے حضرت عائشہؓ کے پاس پہنچے حضرت عائشہؓ نے صاف یہ الفاظ لکھے کہ :

"من عائشة ام المومنين الى زياد بن ابى سفيان"

"ام المومنین عائشہؓ کی طرف سے ابوسفیان کے بیٹے زیاد کے نام"[1]

جب زیاد کے پاس یہ خط پہنچا تو اس نے خوش ہو کر یہ خط مجمع عام میں سنایا۔

ان حالات میں ہمیں یہ توقع رکھنا بے محل نہیں کہ مولانا مودودی صاحب بھی مجموعی صورتحال سے واقف ہونے کے بعد اپنے اس اعتراض سے رجوع کرلیں گے' اور انہوں نے اس معاملے میں عام معترضین سے زیادہ جو سخت اور مکروہ اسلوب بیان اختیار فرمایا ہے اس پر ندامت کا اظہار فرمائیں گے......؟

[1] تہذیب ابن عساکر ص ۴۱۱ ج ۵ مطبعۃ الروضہ' الشام ۱۳۳۲ھ

گورنروں کی زیادتیاں

حضرت معاویہؓ پر چھٹا اعتراض مولانا مودودی صاحب نے یہ کیا ہے کہ :

"حضرت معاویہؓ نے اپنے گورنروں کو قانون سے بالاتر قرار دیا اور ان کی زیادتیوں پر شرعی احکام کے مطابق کارروائی کرنے سے صاف انکار کردیا۔" (ص ۱۷۵)

حضرت معاویہؓ کے بارے میں اس "کلیہ" کا استنباط مولانا نے چھ واقعات سے کیا ہے' پہلا واقعہ وہ یوں نقل فرماتے ہیں :

"ان کا گورنر عبداللہ بن عمرو بن غیلان ایک مرتبہ بصرے میں منبر پر خطبہ دے رہا تھا' ایک شخص نے دوران خطبہ میں اس کو کنکر مار دیا' اس پر عبداللہ نے اس شخص کو گرفتار کرایا اور اس کا ہاتھ کٹوا دیا۔ حالانکہ شرعی قانون کی رو سے یہ ایسا جرم نہ تھا جس پر کسی کا ہاتھ کاٹ دیا جائے' حضرت معاویہؓ کے پاس استغاثہ کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں ہاتھ کی دیت تو بیت المال سے ادا کردوں گا مگر میرے عُمّال سے قصاص لینے کی کوئی سبیل نہیں۔" (ص ۱۷۵'۱۷۶)

مولانا نے یہاں بھی واقعے کے انتہائی اہم جزو کو حذف کرکے قصہ اس طرح بیان کیا ہے کہ جس سے حضرت معاویہؓ کے بارے میں نہایت غلط اور خلاف واقعہ تاثر قائم ہوتا ہے۔ مولانا نے اس واقعے کے لئے ابن کثیرؒ (ص ۷۱ ج ۸) اور ابن اثیرؒ کا حوالہ دیا ہے' یہاں ہم ابن کثیرؒ کی پوری عبارت نقل کردیتے ہیں۔ مولانا کی عبارت کا اس سے مقابلہ کرلیا جائے

"اسی[1] سال میں حضرت معاویہؓ نے عبداللہ بن غیلان کو بصرہ سے معزول کر کے اس کی جگہ عبیداللہ بن زیاد کو مقرر کیا۔ اور حضرت معاویہؓ نے ابن غیلان کو جو معزول فرمایا' اس کا سبب یہ تھا کہ ایک مرتبہ وہ خطبہ دے رہا تھا کہ بنو ضبہ کے کسی شخص نے اس کو کنکر مار دیا' اس نے اس شخص کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیا اس کے بعد اس شخص کی قوم کے لوگ ابن غیلان کے پاس آئے اور اس سے کہا کہ اگر امیرالمومنین کو یہ معلوم ہو گیا کہ تم نے اس کا ہاتھ اس وجہ سے کاٹا تھا تو وہ اس کے اور اس کی قوم کے ساتھ وہی سلوک کریں گے جو حجر بن عدی کے ساتھ کیا تھا' اس لئے تم ہمیں ایک تحریر لکھ دو جس میں یہ تحریر ہو کہ تم نے ہمارے آدمی کا ہاتھ شبہ کی بنا پر کاٹا تھا' ابن غیلان نے ان کو یہ تحریر لکھ دی' ان لوگوں نے کچھ عرصہ تک یہ تحریر اپنے پاس رکھی' پھر حضرت معاویہؓ کے پاس پہنچے' اور شکایت کی کہ آپ کے گورنر نے ہمارے آدمی کا ہاتھ شبہ کی وجہ سے کاٹ دیا ہے' لہٰذا اس سے ہمیں قصاص دلوایئے۔ حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ میرے گورنروں سے قصاص کی تو کوئی سبیل نہیں لیکن دیت لے لو چنانچہ انہیں حضرت معاویہؓ نے دیت دلوائی اور ابن غیلان کو معزول کر دیا۔"

الفاظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ بالکل یہی واقعہ علامہ ابن اثیر جزریؒ نے بھی نقل کیا ہے' ہماری سمجھ سے بالکل باہر ہے کہ جو شخص قصاص اور دیت کے شرعی قوانین سے واقف ہو' وہ اس واقعہ کو پڑھ کر حضرت معاویہؓ کے اس فیصلہ پر کوئی ادنیٰ اعتراض کس طرح

---

[1] ثم دخلت سنة خمس و خمسين فيها عزل معاوية" عبدالله بن غيلان عن البصرة وولى عنها عبيدالله بن زياد و كان سبب عزله ... ه ابن غيلان عن البصرة انه كان يخطب الناس فحصبه رجل من بني ضبة فامر بقطع يده فجاء قومه اليه فقالوا له : انه متى بلغ امير المومنين انك قطعت يده في هذا الصنع فعل به و بقومه نظير ما فعل بحجر بن عدى فاكتب لنا كتابا انك قطعت يده في شبهة فكتب لهم فتركوه عندهم حيناثم جاء وامعاوية" فقالوا له ان نائبك قطع يد صاحبنا في شبهة فاقدنا منه" قال : لا سبيل الى القود من عمالي ولكن الدية فاعطاهم الدية و عزل ابن غيلان (البدایہ ص ۷۱ ج ۸)

کر سکتا ہے؟

اس واقعہ میں صاف تصریح ہے کہ حضرت معاویہؓ کے سامنے بنو ضبہ کے لوگوں نے ابن غیلان کے تحریری اقرار کے ساتھ مقدمے کی جو صورت پیش کی وہ یہ تھی کہ ابن غیلان نے ایک شخص کا ہاتھ شبہ میں کاٹ دیا ہے۔

"شبہ میں ہاتھ کاٹ دینا" اسلامی فقہ کی ایک اصطلاح ہے' قاعدہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص پر سرقہ کا الزام ہو اور اس کے ثبوت میں کوئی ادنیٰ سا شبہ بھی پیش آجائے تو ہاتھ کاٹنے کی سزا موقوف ہو جاتی ہے اور شبہ کا فائدہ (Benefit of doubt) ملزم کو دیا جاتا ہے' اگر ایسی صورت میں کوئی حاکم غلطی سے ملزم پر سزا جاری کر کے ہاتھ کاٹ دے تو کہا جاتا ہے کہ "اس نے شبہ میں ہاتھ کاٹ دیا ہے"

"شبہ میں ہاتھ کاٹ دینا" بلاشبہ حاکم کی سنگین غلطی ہے' لیکن اس غلطی کی بناء پر کسی کے نزدیک بھی یہ حکم نہیں ہے کہ اس حاکم سے قصاص لینے کے لئے اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیا جائے۔ کیونکہ شبہ کا فائدہ اس کو بھی ملتا ہے۔

فقہاء نے تصریح کی ہے کہ اگر کوئی حاکم غلطی سے کسی شخص پر شبہ میں سزا جاری کر دے تو حاکم سے قصاص نہیں لیا جاتا۔ اس کی ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ اگر حاکموں کے ایسے فیصلوں کے وجہ سے ان پر حد جاری کی جایا کرے یا ان سے قصاص لیا جانے لگے تو اس اہم منصب کو کوئی قبول نہیں کریگا۔ کیونکہ انسان سے ہروقت غلطی کا احتمال ہے۔ اس بات کو حضرت معاویہؓ نے ان الفاظ میں تعبیر فرمایا ہے کہ :

"میرے گورنروں سے قصاص لینے کی کوئی سبیل نہیں"

پھر چونکہ اس واقعہ سے ایک طرف اس شخص کو نقصان پہنچا تھا جس کا ہاتھ کاٹا گیا' اس لئے حضرت معاویہؓ نے اسے دیت دلوادی اور دوسری طرف حاکم کی نااہلیت بھی ظاہر ہو گئی تھی' اس لئے اسے معزول کر دیا۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر حضرت معاویہؓ محض اس بناء پر ابن غیلان سے قصاص نہیں لے رہے تھے کہ وہ ان کے گورنر ہیں تو انہیں معزول کیوں فرمایا؟ اور معزول کرنے کے بعد تو وہ گورنر نہیں رہے تھے' پھر ان سے قصاص کیوں نہیں لیا؟

اس پر حیرت کا اظہار کیجئے یا افسوس کا' کہ ابن اثیرؒ اور ابن کثیرؒ (جن کے حوالے سے

مولانا مودودی صاحب نے یہ واقعہ نقل کیا ہے) دونوں نے ابتداء ہی معزولی کے بیان سے کی ہے' اور غیر مبہم الفاظ میں بتلایا ہے کہ حضرت معاویہؓ کے سامنے ملزم کے اقرار کے ساتھ مقدمہ کس طرح پیش ہوا تھا؟ مگر مولانا نہ تو معزولی کا ذکر کرتے ہیں اور نہ پیش ہونے والے مقدمے کی صحیح نوعیت کا۔ اور صرف حضرت معاویہؓ کا یہ جملہ نقل کردیتے ہیں کہ :

"میرے عمال سے قصاص لینے کی کوئی سبیل نہیں۔"

اور اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ :

"حضرت معاویہؓ نے اپنے گورنروں کو قانون سے بالاتر قرار دے دیا اور ان کی زیادتیوں پر شرعی احکام کے مطابق کارروائی کرنے سے صاف انکار کردیا"

اس کے بعد دوسرا واقعہ مولانا نے طبری اور ابن اثیر کے حوالے سے یہ بیان فرمایا ہے کہ زیاد نے ایک مرتبہ بہت سے آدمیوں کے ہاتھ صرف اس جرم میں کاٹ دیئے تھے کہ انہوں نے خطبہ کے دوران اس پر سنگ باری کی تھی' یہ واقعہ بلاشبہ اسی طرح طبری اور ابن اثیر میں موجود ہے لیکن اگر اس روایت کو درست مان لیا جائے تو یہ زیاد کا ذاتی فعل تھا۔ حضرت معاویہؓ پر اس کا الزام اس لئے عائد نہیں ہوتا کہ کسی تاریخ میں یہ موجود نہیں ہے کہ حضرت معاویہؓ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی اور انہوں نے اس پر زیاد کو کوئی تنبیہہ نہیں کی' ہوسکتا ہے کہ انہیں اس کی اطلاع نہ ہوئی ہو' اور یہ بھی ممکن ہے کہ اسی طرح اطلاع پہنچی ہو جس طرح ابن غیلان کے مذکورہ بالا واقعے میں پہنچی تھی۔ اور یہ بھی مستبعد نہیں کہ حضرت معاویہ نے زیاد کو اس حرکت پر مناسب سرزنش کی ہو' لہٰذا قطعیت کے ساتھ یہ بات کیسے کہی جاسکتی ہے کہ :

"دربار خلافت سے اس کا بھی کوئی نوٹس نہ لیا گیا" (خلافت وملوکیت ص ۱۷۶)

تیسرا واقعہ مولانا نے حضرت بسر بن ارطاۃ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ انہوں نے یمن میں حضرت علیؓ کے گورنر عبید اللہ بن عباسؓ کے دو بچوں کو قتل کردیا' ہمدان میں بعض مسلمان عورتوں کو لونڈیاں بنالیا۔

جہاں تک بچوں کو قتل کرنے کا تعلق ہے اگر یہ روایت درست ہو تو یہ حضرت معاویہؓ کے عہد خلافت کا نہیں بلکہ مشاجرات کے زمانہ کا قصہ ہے' جبکہ حضرت علیؓ اور حضرت

معاویہ رضی اللہ عنہما کے لشکر باہم برسرپیکار تھے۔ اس دور کی جنگوں کے بیان میں اس قدر رنگ آمیزیاں کی گئی ہیں کہ حقیقت کا پتہ چلانا بہت دشوار ہے' ٹھیک اسی روایت میں جس سے مولانا نے استدلال کیا ہے علامہ طبریؒ نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ بسر بن ارطاۃؓ کے مقابلے کے لئے حضرت علیؓ نے حضرت جاریہ بن قدامہؓ کو دو ہزار کا لشکر دے کر روانہ کیا۔ حضرت جاریہؓ نے نجران پہنچ کر پوری بستی کو آگ لگا دی اور حضرت عثمانؓ کے ساتھیوں میں سے بہت سے افراد کو پکڑ کر قتل کر ڈالا' پھر جاریہؓ مدینہ طیبہ پہنچے' اس وقت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے' وہ انہیں دیکھ کر بیچ ہی میں بھاگ کھڑے ہوئے' جاریہؓ نے کہا۔

"واللہ لو اخذت اباسنور لضربت عنقہ"

"خدا کی قسم اگر بلی والا (حضرت ابوہریرہؓ) مجھے ہاتھ آگیا تو میں اس کی گردن مار دوں گا۔"

(الطبری ص ۱۰۷ ج ۴ مطبعۃ الاستقامۃ 'القاہرہ ۱۳۵۸ھ)

حضرت علیؓ نے انہیں بصرہ بھیجا' وہاں انہوں نے حضرت معاویہؓ کے گورنر عبداللہ بن الحضرمی کو گھر میں محصور کر کے زندہ جلا دیا۔[1] لیکن ہم ان زیادتیوں سے حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں کو بری سمجھتے ہیں' اور ان ناقابل اعتماد تاریخی روایات کی بناء پر ان حضرات میں سے کسی کو مورد الزام قرار دینا جائز نہیں سمجھتے کیوں کہ ان روایات کی صحت کا کچھ پتہ نہیں۔

انہی بسر بن ارطاۃؓ کے بارے میں جنہیں مذکورہ روایات کی بناء پر مولانا مودودی نے "ظالم شخص" کا خطاب دے دیا ہے' خود حضرت علیؓ کی گواہی تو حافظ ابن کثیرؒ نے اس طرح نقل کی ہے کہ :

عن زهير بن الارقم قال خطبنا عليؓ يوم جمعة فقال نبئت ان بسرا قد طلع اليمن' واني والله لأحسب ان هٰؤلاء القوم سيظهرون عليكم وما يظهرون عليكم الا بعصيانكم امامكم وطاعتهم امامهم و خيانتكم وامانتهم وافسادكم في ارضكم واصلاحهم"

[1] الاستیعاب تحت الاصابہ' ص ۲۴۷ ج اول' ذکر "جاریہ بن قدامہ"

"زہیر بن ارقم" کہتے ہیں کہ ایک جمعہ کو حضرت علیؓ نے ہمیں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ بسر (بن ارطاۃ) یمن پہنچ گئے ہیں' اور خدا کی قسم میرا گمان یہ ہے کہ یہ لوگ تم پر غالب آجائیں گے اور صرف اس بناء پر غالب آئیں گے کہ تم اپنے امام کی نافرمانی کرتے ہو اور یہ لوگ اپنے امام کی اطاعت کرتے ہیں تم لوگ خیانت کرتے ہو' اور یہ لوگ امین ہیں تم اپنی زمین میں فساد مچاتے ہو' اور یہ اصلاح کرتے ہیں"[1]

یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجرؒ حافظ ابن حبانؒ سے نقل کرتے ہیں کہ :

"ولہ اخبار شہیرۃ فی الفتن لا ینبغی التشاغل بہا"

"فتنہ کے دور میں ان کے (بسرؓ کے) بہت قصے مشہور ہیں جن میں مشغول ہونا نہیں چاہیے۔"[2]

اس کے علاوہ ان جنگوں میں حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں نے اپنے ماتحتوں کو یہ تاکید فرمائی تھی کہ وہ قتل و قتال میں حد ضرورت سے آگے نہ بڑھیں' حضرت علیؓ کا یہ ارشاد تو متعدد مقامات پر منقول ہے[3] اور حضرت معاویہؓ کے بارے میں خود انہیں بسر بن ارطاۃ کا یہ مقولہ بہت سی تواریخ نے نقل کیا ہے کہ :

"یا اہل مدینۃ لولا ما عہد الیّ معاویۃ ما ترکت بہا محتلما الا قتلتہ"

"اے اہل مدینہ! اگر مجھ سے معاویہؓ نے عہد نہ لیا ہوتا تو میں اس شہر میں کسی بالغ انسان کو قتل کیے بغیر نہ چھوڑتا۔"[4]

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت معاویہؓ نے تو انہیں ہر بالغ انسان کو قتل کرنے سے بھی منع کیا تھا' چہ جائیکہ چھوٹے بچوں کو قتل کرنے کی اجازت دیتے۔ لہٰذا حضرت علیؓ کے

---

[1] البدایہ والنہایہ: ص ۳۲۵ ج ۷ مطبعۃ السعادۃ

[2] الاصابہ ص ۱۵۲ ج اول

[3] مثال کے طور پر طبری ص ۵۰۶ ج ۳ ملاحظہ فرمایئے۔

[4] الطبری ص ۱۰۶ ج ۴' الاستیعاب تحت الاصابہ ص ۱۶۶ ج ۱' ابن عساکر ص ۲۲۲ ج ۳

گورنر ہوں یا حضرت معاویہؓ کے اگر انہوں نے فی الواقع دوران جنگ کوئی زیادتی کی بھی ہو تو اس کی کوئی ذمہ داری حضرت علیؓ یا حضرت معاویہؓ پر عائد نہیں ہوتی۔ چنانچہ تواریخ سے یہ بھی ثابت ہے کہ فتنہ کا وقت گذر جانے کے بعد حضرت معاویہؓ نے ان زیادتیوں کی تلافی کر کے بسر بن ارطاۃ کو گورنری سے معزول کر دیا۔[۱]

رہ گیا یہ قصہ کہ بسر بن ارطاۃؓ نے ہمدان پر حملہ کر کے وہاں کی مسلمان عورتوں کو کنیز بنا لیا تھا' سو یہ بات الاستیعاب کے سوا کسی بھی تاریخ میں موجود نہیں ہے۔ یہاں تک کہ حافظ ابن عساکرؒ جنہوں نے بسر بن اطارۃ کے حالات چھ صفحات میں ذکر کئے ہیں [۲] اور ان میں بسر سے متعلق تمام صحیح و سقیم روایات جمع کی ہیں' ہمدان پر ان کے حملے کا بھی ذکر کیا ہے انہوں نے بھی کہیں یہ نہیں لکھا کہ انہوں نے مسلمان عورتوں کو کنیز بنا لیا تھا' یہ روایت صرف حافظ ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں نقل کی ہے اور اس کی سند بھی نہایت ضعیف ہے۔ بعض متکلم فیہ راویوں سے قطع نظر اس میں ایک راوی موسیٰ بن عبیدہ ہیں' جن کی محدثین نے تضعیف کی ہے امام احمدؒ کا ان کے بارے میں ارشاد ہے کہ :

لا تحل الروایة عنه عن موسیٰ بن عبیدة

"میرے نزدیک موسیٰ بن عبیدہ سے روایت کرنا حلال نہیں"[۳]

آپ اندازہ فرمایئے کہ اگر یہ واقعہ صحیح ہوتا کہ "مسلمان عورتوں کو بازار میں کھڑا کر کے بیچا گیا"[۴] تو کیا اس واقعہ کو کسی ایک ہی شخص نے دیکھا تھا؟ یہ تو تاریخ کا ایسا منفرد سانحہ ہوتا کہ اس کی شہرت حد تواتر تک پہنچ جانی چاہیئے تھی۔ اور حضرت معاویہؓ سے بغض رکھنے والا گروہ جو پر کا کوا بنانے بلکہ بسا اوقات بے پر کی اڑانے پر تلا ہوا تھا وہ تو اس واقعہ کو نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچا دیتا؟ اس کے باوجود اس واقعے کی صرف ایک ہی روایت کیوں ہے؟ اور وہ بھی ضعیف اور مجروح جسے کسی مؤرخ نے بھی اپنی تاریخ میں درج کرنا مناسب

---

[۱] دیکھئے ابن خلدونؒ ۸'۹ ج ۳ "بعث معاویہؓ العمال الی الامصار"

[۲] ابن عساکر ص ۲۲۰ تا ۲۲۵ ج ۳ "بسر بن ابی ارطاۃ"

[۳] ابو حاتم الرازیؒ : الجرح والتعدیل ص ۱۵۲ ج ۴ قسم اول

[۴] الاستیعاب ص ۱۶۶ ج ۱

نہیں سمجھا؟ لہٰذا محض اس ضعیف اور منفرد روایت کی بناء پر صحابہ کرامؓ کی تاریخ پر اتنا بڑا داغ نہیں لگایا جا سکتا۔

چوتھا واقعہ مولانا نے اس طرح بیان فرمایا ہے۔

"سر کاٹ کر ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجنے اور انتقام کے جوش میں لاشوں کی بے حرمتی کرنے کا وحشیانہ طریقہ بھی' جو جاہلیت میں رائج تھا اور جسے اسلام نے مٹا دیا تھا' اسی دور میں مسلمانوں کے اندر شروع ہوا۔

سب سے پہلا سر جو زمانہ اسلام میں کاٹ کر لے جایا گیا وہ حضرت عمار بن یاسرؓ کا تھا۔ امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے اور ابن سعدؒ نے بھی طبقات میں اسے نقل کیا ہے کہ جنگ صفین میں حضرت عمارؓ کا سر کاٹ کر حضرت معاویہؓ کے پاس لایا گیا۔ اور دو آدمی اس پر جھگڑ رہے تھے کہ عمارؓ کو میں نے قتل کیا۔"

یہ روایت تو مولانا نے صحیح نقل کی ہے لیکن اگر یہ واقعہ درست ہو تو اس واقعے سے حضرت معاویہؓ پر الزام عائد کرنا کسی طرح درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس روایت میں صرف اتنا بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عمارؓ کا سر حضرت معاویہؓ کے پاس لے جایا گیا۔ یہ نہیں بتلایا کہ حضرت معاویہؓ نے اس فعل پر کیا اثر لیا؟ بالکل اسی قسم کا ایک واقعہ امام ابن سعدؒ ہی نے طبقات میں یہ نقل فرمایا ہے کہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت علیؓ کے ایک شخص عمیر بن جرموز نے قتل کیا اور ان کا سر تن سے جدا کر کے حضرت علیؓ کے پاس لے گیا۔[1]

ہماری گذارش یہ ہے کہ ان دونوں قصوں میں کوئی الزام حضرت علیؓ یا حضرت معاویہؓ پر اس لئے عائد نہیں ہوتا کہ دونوں میں سے کسی نے نہ اس بات کا حکم دیا تھا کہ فلاں کا سر کاٹ کر ہمارے پاس لایا جائے' نہ انہوں نے اس فعل کی توثیق کی تھی' بلکہ یقیناً انہوں نے اس فعل کو برا قرار دے کر ایسا کرنے والے کو تنبیہہ کی ہو گی۔ حضرت علیؓ کے بارے میں تو اسی روایت میں یہ بھی موجود ہے کہ انہوں نے حضرت زبیرؓ کی شہادت پر افسوس کا اظہار

---

[1] طبقات ابن سعد ص ۱۱۲ ج ۳ جزو ۸ "زبیر بن العوامؓ"

فرمایا' حضرت معاویہؓ کے قصے میں راوی نے ایسی کوئی بات ذکر نہیں کی' اگر راوی نے کسی وجہ سے تنبیہہ کا ذکر نہیں کیا تو یہ "عدم ذکر" ہی تو ہے "ذکر عدم" تو نہیں کہ اس سے ان حضرات پر کوئی الزام لگایا جا سکے اور اس سے یہ نتیجہ نکال لیا جائے کہ ان حضرات نے اپنے ماتحتوں کو شرعی حدود پامال کرنے کی چھٹی دی رکھی تھی۔

آگے مولانا لکھتے ہیں۔

> "دوسرا سر عمرو بن الحمق کا تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں میں سے تھے' مگر حضرت عثمانؓ کے قتل میں انہوں نے بھی حصہ لیا تھا۔ زیاد کی ولایت عراق کے زمانے میں ان کو گرفتار کرنے کی کوشش کی گئی۔ وہ بھاگ کر ایک غار میں چھپ گئے' وہاں ایک سانپ نے ان کو کاٹ لیا اور وہ مر گئے تعاقب کرنے والے ان کی مردہ لاش کا سر کاٹ کر زیاد کے پاس لے گئے اس نے حضرت معاویہ کے پاس دمشق بھیج دیا وہاں اسے بر سرعام گشت کرایا گیا اور پھر لے جا کر ان کی بیوی کی گود میں ڈال دیا گیا۔"

اس واقعے کے لئے مولانا نے چار کتابوں کے حوالے دیئے ہیں (طبقات ابن سعد' استیعاب' البدایہ و النہایہ اور تہذیب التہذیب لیکن اس واقعے کا قابل اعتراض حصہ (یعنی یہ کہ حضرت معاویہؓ نے عمرو بن الحمق کے سر کو گشت کرایا) نہ طبقات میں ہے نہ استیعاب میں' نہ تہذیب میں' یہ صرف البدایہ میں نقل کیا گیا ہے اور وہ بھی بلا سند و حوالہ۔ البدایہ والنہایہ کا ماخذ عموماً طبریؒ کی تاریخ ہوا کرتی ہے اور طبریؒ نے عمرو بن الحمق کے قتل کا جو واقعہ ذکر کیا ہے اس میں اس داستان کا کوئی ذکر نہیں' بلکہ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ فتنے کے عروج کے دور میں بھی حضرت معاویہؓ نے عدل و انصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا اور انتقام کے جذبات سے مغلوب نہیں ہوئے۔ امام ابن جریر طبریؒ ابو مخنف کی سند سے روایت کرتے ہیں کہ عمرو بن الحمق کو موصل کے عامل نے گرفتار کر لیا تھا اس کے بعد انہوں نے حضرت معاویہؓ سے خط لکھ کر معلوم کیا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ حضرت معاویہؓ نے جواب میں لکھا کہ :

"انہوں نے حضرت عثمان بن عفانؓ پر نیزے کے نو وار کئے تھے' ہم ان پر زیادتی کرنا نہیں چاہتے لہٰذا تم بھی ان پر نیزے کے نو وار کرو جس طرح انہوں نے حضرت عثمانؓ پر کئے

تھے"۔[1]

اس روایت میں نہ سر کاٹنے کا ذکر ہے نہ اسے حضرت معاویہؓ کے پاس لے جانے کا بیان ہے نہ اسے گشت کرانے کا قصہ ہے۔ اس کے بجائے حضرت معاویہؓ کا ایک ایسا حکم بیان کیا گیا ہے جو عدل و انصاف کے عین مطابق ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ اس روایت کا راوی بھی ابو مخنف ہے اور وہ شیعہ ہونے کے باوجود حضرت معاویہؓ کی کسی ایسی بات کا ذکر نہیں کرتا جس سے ان پر الزام عائد ہو سکے۔

اس کے مقابلے میں البدایہ والنہایہ کی روایت نہ سند کے ساتھ ہے، نہ اس کا کوئی حوالہ مذکور ہے نہ وہ حضرت معاویہؓ کے بردبارانہ مزاج سے کوئی مناسبت رکھتی ہے۔ ایسی صورت میں آخر کس بنا پر طبری کی صاف اور سیدھی روایت کو چھوڑ کر اسے اختیار کیا جائے؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں مولانا مودودی صاحب نے ایک بڑا زریں اصول یہ لکھا ہے کہ :

> "جب دونوں طرح کی روایات موجود ہیں اور سند کے ساتھ بیان ہوئی ہیں تو آخر ہم ان روایات کو کیوں نہ ترجیح دیں جو ان کے مجموعی طرز عمل سے مناسبت رکھتی ہیں اور خواہ مخواہ وہی روایت کیوں قبول کریں جو اس کی ضد نظر آتی ہیں؟"
>
> (خلافت وملوکیت ص ۳۴۸)

سوال یہ ہے کہ کیا اس اصول کا اطلاق حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر نہیں ہوتا؟ ان حالات میں مولانا مودودی صاحب کا یہ استنباط بڑا ہی سرسری اور جذباتی استنباط ہے کہ :

> "یہ ساری کارروائیاں گویا اس بات کا عملاً اعلان تھیں کہ اب گورنروں اور سپہ سالاروں کو ظلم کی کھلی چھوٹ ہے، اور سیاسی معاملات میں

---

[1] انه طعن عثمان بن عفان تسع طعنات بمشاقص كانت معه وانا لا نريد ان نعتدى عليه فاطعنه تسع طعنات كما طعن عثمان (الطبری ۱۹۷ ج ۴)

شریعت کی کسی حد کے وہ پابند نہیں ہیں" (ص : ١٧٧)

جن واقعات سے مولانا نے اس بات کا استنباط فرمایا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے اپنے گورنروں کو قانون سے بالا تر قرار دے دیا تھا، ان کی حقیقت تو آپ اوپر دیکھ چکے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ اپنے گورنروں کے جن خلاف شرع امور سے واقف ہو جاتے تھے ان پر انہیں مناسب تنبیہہ فرمایا کرتے تھے' اس کے بھی بہت سے واقعات تاریخ میں ملتے ہیں' یہاں ایک واقعہ پر اکتفا کیا جاتا ہے : ۔

"حافظ ابن عساکر نقل فرماتے ہیں کہ سعد بن سرح حضرت علیؓ کے حامیوں میں سے ایک صاحب تھے' جب حضرت معاویہؓ نے زیاد کو کوفہ میں گورنر بنایا تو اس نے سعد بن سرح کو دھمکیاں دیں' اس لئے یہ حضرت حسن بن علیؓ کے پاس جا کر پناہ گزیں ہو گئے' زیاد نے ان کے پیچھے ان کے بھائی اور ان کے بیوی بچوں کو پکڑ کر قید کر لیا۔ اور ان کے مال و دولت پر قبضہ کر کے ان کا گھر منہدم کرا دیا۔ جب حضرت حسنؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے زیاد کے نام ایک خط لکھا کہ : "تم نے ایک مسلمان کا گھر منہدم کر کے اس کے مال و دولت اور بیوی بچوں کو گرفتار کر لیا ہے۔ جب میرا یہ خط تمہارے پاس پہنچے تو تم فوراً ان کا گھر دوبارہ تعمیر کراؤ اور اس کے بیوی بچے اور مال و اسباب انہیں واپس کر دو۔ میں نے انہیں پناہ دی ہوئی ہے لٰہذا تم ان کے بارے میں میری سفارش قبول کرو۔"

اس خط کے جواب میں زیاد نے حضرت حسنؓ کے نام ایک خط لکھا جس میں حضرت حسنؓ کی شان میں گستاخی کی گئی تھی' حضرت حسنؓ زیاد کا خط پڑھ کر مسکرائے اور حضرت معاویہؓ کے نام ایک خط لکھا جس میں انہیں پورے واقعے سے مطلع کیا' اور زیاد کا خط بھی ساتھ بھیج دیا۔ حافظ ابن عساکر لکھتے ہیں کہ :

"فلما وصل کتاب الحسن الی معاویة وقرأ معاویة الکتاب ضاقت به الشام"

"جب حضرت حسنؓ کا خط حضرت معاویہؓ کے پاس پہنچا اور انہوں نے

خط پڑھا تو (رنج وملال کی وجہ سے) شام کی زمین انہیں تنگ معلوم ہونے لگی۔"

اس کے بعد حضرت معاویہؓ نے زیاد کے نام سخت تہدید آمیز خط لکھا جس میں متعدد ملامتوں کے علاوہ یہ الفاظ بھی تھے کہ :

"تم نے حسنؓ کے نام خط میں ان کے والد کو برا بھلا کہا ہے' اور کنایۃً ان پر فسق کا الزام لگایا ہے' میری زندگی کی قسم! تم فسق کے خطاب کے ان سے زیادہ مستحق ہو' جس باپ کی طرف تم پہلے منسوب تھے وہ حسنؓ کے والد سے زیادہ اس خطاب کے مستحق تھے' جونہی میرا یہ خط تمہارے پاس پہنچے تم فوراً سعد بن سرح کے عیال کو چھوڑ دو ان کا گھر تعمیر کراؤ' اس کے بعد ان سے کوئی تعرض نہ کرو اور ان کا مال لوٹا دو۔ میں نے حسنؓ کو لکھ دیا ہے کہ وہ اپنے آدمی کو اختیار دیدیں کہ وہ چاہیں تو انہیں کے پاس رہیں اور چاہیں تو اپنے شہر میں لوٹ آئیں اور تمہارے ہاتھ یا زبان کو ان پر کوئی بالادستی حاصل نہیں ہوگی۔"[1]

---

[1] ابن عساکر ص ۴۱۸ و ۴۱۹ ج ۵ مطبعۃ الروضۃ' شام ۱۳۳۲ھ

حضرت حجر بن عدیؒ کا قتل

یہ تو وہ اعتراضات تھے جو مولانا مودودی نے "قانون کی بالاتری کا خاتمہ" کے عنوان کے تحت حضرت معاویہؓ پر عائد کئے تھے اس کے علاوہ ایک اعتراض مولانا نے "آزادیٔ اظہار رائے کا خاتمہ" کے عنوان کے تحت اس طرح کیا ہے :

"دور ملوکیت میں ضمیروں پر قفل چڑھا دیئے گئے اور زبانیں بند کردی گئیں اب قاعدہ یہ ہو گیا کہ منہ کھولو تو تعریف کے لئے کھولو' ورنہ چپ رہو' اور اگر تمہارا ضمیر ایسا ہی زور دار ہے کہ تم حق گوئی سے باز نہیں رہ سکتے تو قید اور قتل اور کوڑوں کی مار کے لئے تیار ہو جاؤ۔ چنانچہ جو لوگ بھی اس دور میں حق بولنے اور غلط کاریوں پر ٹوکنے سے باز نہ آئے ان کو بدترین سزائیں دی گئیں تاکہ پوری قوم دہشت زدہ ہو جائے۔

اس نئی پالیسی کی ابتداء حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں حضرت حجر بن عدی کے قتل (۵۱ھ) سے ہوئی جو ایک زاہد و عابد صحابی اور صلحائے امت میں ایک اونچے مرتبے کے شخص تھے۔ حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں جب منبروں پر خطبوں میں علانیہ حضرت علیؓ پر لعنت اور سبّ وشتم کا سلسلہ شروع ہوا تو عام مسلمانوں کے دل ہر جگہ ہی اس سے زخمی ہو رہے تھے۔ کوفہ میں حجر بن عدیؓ سے صبر نہ ہو سکا اور انہوں نے جواب میں حضرت علیؓ کی تعریف اور حضرت معاویہؓ کی مذمت شروع کردی' حضرت مغیرہ جب تک کوفہ کے گورنر رہے وہ ان کے ساتھ رعایت برتتے رہے۔ ان کے بعد جب زیاد کی گورنری میں بصرہ کے ساتھ کوفہ بھی شامل ہو گیا تو اس کے اور ان کے درمیان کشمکش برپا ہو گئی' وہ خطبے میں حضرت علیؓ کو گالیاں دیتا

تھا اور یہ اٹھ کر اس کا جواب دینے لگتے تھے اسی دوران میں ایک مرتبہ انہوں نے نماز جمعہ میں تاخیر پر بھی اس کو ٹوکا۔ آخر کار اس نے انہیں اور ان کے بارہ ساتھیوں کو گرفتار کرلیا اور ان کے خلاف بہت سے لوگوں کی شہادتیں اس فرد جرم پر لیں کہ "انہوں نے ایک جتھا بنا لیا ہے' خلیفہ کو علانیہ گالیاں دیتے ہیں' امیرالمومنین کے خلاف لڑنے کی دعوت دیتے ہیں ان کا دعویٰ یہ ہے کہ خلافت آل ابی طالب کے سوا کسی کے لئے درست نہیں ہے' انہوں نے شہر میں فساد برپا کیا اور امیرالمومنین کے عامل کو نکال باہر کیا' یہ ابو تراب (حضرت علیؓ) کی حمایت کرتے ہیں' ان پر رحمت بھیجتے ہیں اور ان کے مخالفین سے اظہار برأت کرتے ہیں۔" ان گواہیوں میں سے ایک گواہی قاضی شریح کی بھی ثبت کی گئی مگر انہوں نے ایک الگ خط میں حضرت معاویہؓ کو لکھ بھیجا کہ "میں نے سنا ہے کہ آپ کے پاس حجر بن عدی کے خلاف جو شہادتیں بھیجی گئی ہیں ان میں سے ایک میری شہادت بھی ہے۔ میری اصل شہادت حجر کے متعلق یہ ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں' زکوۃ دیتے ہیں' دائماً حج اور عمرہ کرتے رہتے ہیں۔ نیکی کا حکم دیتے اور بدی سے روکتے ہیں ان کا خون اور مال حرام ہے' آپ چاہیں تو انہیں قتل کریں ورنہ معاف کردیں۔"

اس طرح یہ ملزم حضرت معاویہؓ کے پاس بھیجے گئے اور انہوں نے ان کے قتل کا حکم دیدیا۔ قتل سے پہلے جلادوں نے ان کے سامنے جو بات پیش کی وہ یہ تھی کہ "ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ اگر تم علیؓ سے برأت کا اظہار کرو اور ان پر لعنت بھیجو تو تمہیں چھوڑ دیا جائیگا۔" ان لوگوں نے یہ بات ماننے سے انکار کردیا اور حجر نے کہا! "میں زبان سے وہ بات نہیں نکال سکتا جو رب کو ناراض کرے" آخر وہ اور ان کے ساتھی (سات) قتل کردیئے گئے۔ ان میں سے ایک صاحب عبدالرحمان بن حسان کو حضرت معاویہؓ نے زیاد کے پاس واپس بھیج دیا' اور اس کو لکھا کہ انہیں بدترین طریقہ سے قتل کر' چنانچہ اس نے انہیں زندہ دفن کرادیا۔

اس واقعہ نے امت کے تمام صلحاء کا دل ہلا دیا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عائشہؓ کو یہ خبر سن کر سخت رنج ہوا۔ حضرت عائشہؓ نے حضرت معاویہؓ کو اس فعل سے باز رکھنے کے لئے پہلے ہی خط لکھا تھا۔ بعد میں جب ایک مرتبہ حضرت معاویہؓ ان سے ملنے آئے تو انہوں نے فرمایا "اے معاویہؓ! تجھے حجر کو قتل کرتے ہوئے خدا کا ذرا خوف نہ ہوا۔" حضرت معاویہؓ کے گورنر خراسان ربیع بن زیاد الحارثی نے جب یہ خبر سنی تو کہا :
"خدایا اگر تیرے علم میں میرے اندر کچھ خیر باقی ہے تو مجھے دنیا سے اٹھالے۔"

(خلافت وملوکیت۔ ص ۱۶۳ تا ۱۶۵)

اس واقعے میں بھی مولانا مودودی صاحب نے اول تو بعض باتیں ایسی کہی ہیں جن کا ثبوت کسی بھی تاریخ میں یہاں تک کہ ان کے دیئے ہوئے حوالوں میں بھی نہیں ہے۔ دوسرے یہاں بھی مولانا نے واقعے کے ضروری اجزاء کو سرے سے حذف کرکے بڑا ہی خلاف واقعہ تاثر قائم کیا ہے۔ مولانا مودودی صاحب کی پوری عبارت ہم نے من وعن نقل کردی ہے، اب اصل واقعہ سُنیئے!

سب سے پہلے تو یہ سمجھ لیجئے کہ حضرت حجر بن عدیؒ کون تھے؟ مولانا نے انہیں علی الاطلاق "زاہد و عابد صحابی" کہہ دیا ہے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ان کا صحابی ہونا مختلف فیہ ہے۔ اگرچہ بعض حضرات مثلاً ابن سعدؒ اور مصعب زبیریؒ کا کہنا تو یہی ہے کہ یہ صحابی تھے لیکن امام بخاریؒ، ابن ابی حاتمؒ، ابوحاتمؒ، خلیفہ بن خیاطؒ اور ابن حبان رحمہم اللہ نے انہیں تابعین میں شمار کیا ہے[1] علامہ ابن سعد نے بھی ان کو ایک مقام پر صحابہ میں اور ایک مقام پر تابعین میں شمار کیا ہے[2] اور ابواحمد عسکریؒ فرماتے ہیں کہ :

اکثر المحدثین لا یصححون له صحبة [3]

---

[1] الاصابہ ص ۳۱۳ ج اول، المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، القاہرہ ۱۳۵۸ھ

[2] طبقات ابن سعد ص ۲۱۷ ج ۶ جزو ۲۲

[3] البدایہ والنہایہ ص ۵۰ ج ۸ مطبعۃ السعادۃ

اکثر محدثین ان کا صحابی ہونا صحیح نہیں قرار دیتے۔

یہ خود شیعان علیؓ میں سے تھے[1]، اور بلا شبہ تمام تاریخی روایات ان کی بزرگی اور عبادت و زہد پر متفق ہیں، لیکن ان کے ساتھ کچھ غالی اور فتنہ پرداز قسم کے روافض لگ گئے تھے جو ان کی بزرگی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر امت مسلمہ میں انتشار برپا کرنا چاہتے تھے۔

حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں۔

"وقد التف علی حجر جماعات من شیعة علی یتولون امرہ و یشدون علی یدہ و یسبون معاویة و یتبراون منه"

"حضرت حجرؒ کو شیعان علیؓ کی کچھ جماعتیں لپٹ گئی تھیں جو ان کے تمام امور کی دیکھ بھال کرتی تھیں اور حضرت معاویہؓ کو برا بھلا کہتی تھیں"[2]

تقریباً یہی بات علامہ ابن خلدونؒ نے بھی لکھی ہے۔[3]

غالباً ان ہی لوگوں کے کان بھرنے کی وجہ سے ان کی طبیعت حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس قدر مکدّر تھی کہ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہؓ سے صلح فرمائی تو یہ حضرت معاویہؓ کی امارت پر کسی طرح راضی نہیں تھے، تیسری صدی کے مشہور مورخ ابو حنیفہ الدینوریؒ اس صلح کا واقعہ لکھنے کے بعد لکھتے ہیں۔

"قالوا: وکان اول من لقی الحسن بن علی رضی اللہ عنه فنلعه علی ماصنع و دعاہ الی رد الحرب حجر ابن عدی' فقال له یا ابن رسول اللہ لوددت انی مت قبل ما رایت' اخرجتنا من العدل الی الجور فترکنا الحق الذی کنا علیه و دخلنا فی الباطل الذی نهرب منه' واعطینا الدنیة من انفسنا و قبلنا الخسیسة التی لم تلق بنا"

"مورخین کا کہنا ہے کہ (صلح کے بعد) حضرت حسن بن علیؓ کی ملاقات سب سے پہلے حجر بن عدیؒ سے ہوئی، انہوں نے حضرت حسنؓ کو ان کے

---

[1] الاخبار الطوال للدینوریؒ ص ۲۲۳، القاہرہ ۱۹۶۰ء

[2] البدایۃ والنہایہ ص ۵۰ ج ۸

[3] ابن خلدون ص ۲۳ ج ۳ الکتاب اللبنانی بیروت ۱۹۵۷ء

اس فعل پر شرم دلائی اور دعوت دی کہ حضرت معاویہؓ سے لڑائی دوبارہ شروع کر دیں' اور کہا کہ اے رسول اللہ کے بیٹے! کاش کہ میں یہ واقعہ دیکھنے سے پہلے مر جاتا' تم نے ہمیں انصاف سے نکال کر ظلم میں مبتلا کر دیا' ہم جس حق پر قائم تھے' ہم نے وہ چھوڑ دیا اور جس باطل سے بھاگ رہے تھے اس میں جا گھسے' ہم نے خود ذلت اختیار کر لی اور اس پستی کو قبول کر لیا جو ہمارے لائق نہیں تھی۔"

اس کے بعد الدینوریؒ لکھتے ہیں کہ حضرت حسنؓ کو حجر بن عدیؓ کی یہ بات ناگوار گزری اور انہوں نے جواب میں اس صلح کے فوائد سے آگاہ فرمایا' لیکن حجر بن عدیؓ راضی نہ ہوئے اور حضرت حسینؓ کے پاس پہنچے اور ان سے کہا کہ :

ابا عبداللہ شریتم الذل بالعز و قبلتم القلیل و ترکتم الکثیر' اطعنا الیوم واعصنا الدھر' دع الحسن وما رأی من ھذا الصلح واجمع الیک شیعتک من اھل الکوفۃ و غیرھا وولنی و صاحبی ھذہ المقدمۃ فلا یشعر ابن ھند الاونحن نقارعہ بالسیوف

"اے ابو عبداللہ' تم نے عزت کے بدلے ذلت خرید لی' زیادہ کو چھوڑ کر کم کو قبول کر لیا' بس آج ہماری بات مان لو پھر عمر بھر نہ ماننا' حسنؓ کو ان کی صلح پر چھوڑ دو اور کوفہ وغیرہ کے باشندوں میں سے اپنے شیعہ (حامیوں) کو جمع کر لو اور یہ مقدمہ میرے اور میرے دوست کے سپرد کر دو' ہند کے بیٹے (حضرت معاویہؓ) کو ہمارا پتہ صرف اس وقت چلے گا جب ہم تلواروں سے اس کے خلاف جنگ کر رہے ہوں گے۔"

لیکن حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے بھی انہیں یہی جواب دیا کہ۔ انا قد بایعنا وعاھدنا' ولا سبیل الی نقض بیعتنا ہم بیعت کر چکے' عہد ہو چکا' اب اسے توڑنے کی کوئی سبیل نہیں۔ [1]

---

[1] ابو حنیفہ الدینوریؒ الاخبار الطوال ص ۲۲۰۔ ادارۃ العامۃ للثقافۃ القاھرہ

اس کے بعد یہ کوفہ میں مقیم ہو گئے تھے' کوفہ اس وقت فتنہ پرداز قسم کے غالی سبائیوں کا مرکز بنا ہوا تھا جو یوں تو حضرت علیؓ اور حضرت حسینؓ کی محبت و مودت کا دعویٰ کرتے تھے لیکن ان کا اصل مقصد حضرت معاویہؓ کی حکومت کو ناکام بنانا تھا۔ حضرات حسنینؓ حضرت معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے اور اسے کسی قیمت پر توڑنے کے لئے تیار نہ تھے۔ دوسری طرف حضرت معاویہؓ کا معاملہ بھی یہ تھا کہ بقول علامہ ابو حنیفہ الدینوریؒ :

"لم یر حسن ولا الحسین طول حیاۃ معاویۃ منہ سوءاً فی انفسہما ولا مکروھا' ولا قطع عنہما شیئا مما کان شرط لہما ولا تغیر لہما عن بر"

"حضرت معاویہؓ کی پوری زندگی میں حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو ان کی طرف سے کوئی تکلیف اٹھانی نہیں پڑی' نہ انہوں نے ان کی طرف سے اپنے بارے میں کوئی بری بات دیکھی' حضرت معاویہؓ نے ان سے جو عہد کئے تھے ان میں سے کسی کی خلاف ورزی نہیں کی' اور کبھی ان کے ساتھ حسن سلوک کے طرز کو نہ بدلا"[1]

گویا اصل فریقین میں مکمل صلح ہو چکی تھی اور اب کسی کو کسی سے کوئی شکایت نہیں تھی لیکن ان لوگوں کے دل میں بغض معاویہؓ کی آگ برابر سلگ رہی تھی اور یہ ہر ایسے موقع کی تاک میں رہتے تھے جس میں حضرت معاویہؓ اور ان کی حکومت کے خلاف کوئی شورش کھڑی کی جا سکے اور چونکہ حضرات حسنینؓ اس فتنہ پردازی میں ان کے ساتھ نہیں تھے' اس لئے یہ دل میں ان سے بھی خوش نہ تھے' یہاں تک ان میں سے ایک صاحب نے ایک موقع پر حضرت حسنؓ کو ان الفاظ میں خطاب کیا کہ :

"یا مذل المومنین"

"اے مومنوں کو ذلیل کرنے والے"

چنانچہ جب حضرت حسنؓ کا انتقال ہوا تو انہوں نے کوفہ سے حضرت حسینؓ کو خط لکھا کہ :

---

[1] ایضاً ص ۲۲۵

"فان من قبلنا من شیعتک متطلعة انفسھم الیک' لا یعدلون بک احدا وقد کانوا عرفوارای الحسن اخیک فی دفع الحرب' و عرفوک باللین لاولیائک والغلظة علی اعدائک' والشدة فی امر اللہ فان کنت تحب ان تطلب ھذا الامر فاقدم الینا' فقدوطنا انفسنا علی الموت معک" [1]

"ہمارے یہاں جتنے آپ کے شیعہ (حامی) ہیں ان سب کی نگاہیں آپ پر لگی ہوئی ہیں' وہ آپ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے' آپ کے بھائی حسنؓ نے جنگ کو دفع کرنےکی جو پالیسی اختیار کی تھی یہ لوگ اس سے واقف ہیں' اور یہ بھی جانتے ہیں کہ آپ اپنے دوستوں کے لئے نرم اور دشمنوں کے لئے سخت ہیں' اور اللہ کے کام میں اٹل ہیں' لہٰذا اگر آپ اس معاملے (خلافت) کو طلب کرنا پسند کرتے ہوں تو ہمارے پاس آجایئے' اس لئے کہ ہم لوگ آپ کے ساتھ مرنے کے لئے اپنی جانوں کو تیار کر چکے ہیں۔"

لیکن حضرت حسین رضی اللہ عنہ بدستور اپنے عہد پر قائم رہے' ان کو اس انتشار انگیزی سے روکا اور جواب میں حضرت معاویہؓ کے بارے میں یہاں تک لکھا کہ :

"فلن یحدث اللہ بہ حدثا وانا حی" [2]

"جب تک میں زندہ ہوں' اللہ ہرگز ان پر کوئی نئی آفت نہیں بھیجے گا"

اس قماش کے لوگ تھے جو کوفہ میں بقول حافظ ابن کثیرؒ حضرت حجر بن عدیؓ کو چمٹے ہوئے تھے۔ حالات کے اس پس منظر کو ذہن میں رکھ کر اب زیر بحث واقعے کی طرف آیئے۔ مولانا نے اس واقعے کے لئے جن کتابوں کا حوالہ دیا ہے۔ (طبری' استیعاب' ابن اثیر' البدایہ والنہایہ' ابن خلدون) ہم یہاں ٹھیک انہی کتابوں سے نقل کر کے اس سے اصل واقعہ ذکر کرتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہو گا کہ واقعہ کے جو ضروری اجزاء مولانا نے حذف کر دیئے ہیں انہیں ہم بیان کر دیں گے' نیز جو باتیں مولانا نے ان کتابوں کی طرف غلط منسوب فرمائی ہیں

---

[1] الدینوری ص ۲۲۱

[2] ایضاً: ص ۲۲۲

ان پر تنبیہہ کردیں گے۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت حجر بن عدیؓ اور ان کے ساتھیوں کا معمول ہی یہ بن گیا تھا کہ بقول ابن جریرؒ وابن کثیرؒ

"انهم كانوا ينالون من عثمان و يطلقون فيه مقالة الجور وينتقلون على الامراء ويسارعون فى الانكار عليهم و يبالغون فى ذلک وينولون شيعة على ويتشددون فى الدين"

"یہ لوگ حضرت عثمانؓ کی بدگوئی کرتے تھے' اور ان کے بارے میں ظالمانہ باتیں کرتے تھے' اور امراء پر نکتہ چینی کیا کرتے تھے اور ان کی تردید کی تاک میں رہتے تھے۔ اور اس معاملے میں غلو کرتے تھے اور شیعان علیؓ کی حمایت کرتے اور دین میں تشدد کرتے تھے" [1]

ابن جریر طبری لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ کوفہ کے گورنر حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے اپنے خطبہ میں حسب معمول حضرت عثمانؓ کے لئے رحم و مغفرت کی دعا فرمائی اور ان کے قاتلوں کے حق میں بددعا فرمائی۔[2] اس پر حجر بن عدیؓ کھڑے ہو گئے اور حضرت مغیرہؓ کے خلاف اس زور کا نعرہ لگایا کہ مسجد کے اندر اور باہر سب لوگوں نے سنا اور حضرت مغیرہؓ سے خطاب کر کے کہا۔

" انک لاتدری بمن تولع من هرمک ايها الانسان مولنا بارزاقنا اعطياتنا فانک قد حبستها عنا وليس ذلک لک ولم يكن يطمع فى ذلک من كان قبلک و قد اصبحت مولعًا بذم امير المومنين وتقريظ المجرمين "

"اے انسان تجھے سٹھیا جانے کی وجہ سے یہ پتہ نہیں کہ تو کس سے عشق کا اظہار کر رہا ہے؟ ہماری تنخواہوں کی ادائیگی کا حکم جاری کر' کیونکہ وہ تو

---

[1] البدایہ والنہایہ ص ۵۴ ج ۸

[2] یہی وہ بددعا ہے جسے مولانا مودودی نے "منبروں پر خطبوں میں علانیہ حضرت علیؓ پر لعنت اور سب و شتم کا سلسلہ" سے تعبیر فرمایا ہے اور جس کے بارے میں طبری کے الفاظ یہ ہیں کہ

ويدعو على قتلته فقام حجر بن عدى فنعر نعرة بالمغيرة الخ (طبری ۱۸۸ '۱۸۹ ج ۴)

نے روک رکھی ہیں حالانکہ تجھے اس کا حق نہیں اور تجھ سے پہلے گورنروں نے کبھی ہماری تنخواہوں کی لالچ نہیں کی تھی اور تم امیرالمومنین (حضرت علیؓ) کی مذمت اور مجرموں (حضرت عثمانؓ) کی مدح کرنے کے بڑے شوقین ہو۔"

لیکن اس پر حضرت مغیرہؓ نے انہیں کچھ نہیں کہا اور گھر تشریف لے گئے، لوگوں نے انہیں سمجھایا بھی کہ ایسے شخص کو تنبیہہ کئے بغیر چھوڑنا مناسب نہیں، مگر حضرت مغیرہؓ نے فرمایا "میں خطاکار سے درگزر کرنے والا ہوں۔"

حضرت مغیرہؓ کے بعد زیاد کوفہ کا بھی گورنر ہو گیا تو اس نے اپنے خطبے میں حضرت عثمانؓ کی تعریف کی اور ان کے قاتلوں پر لعنت بھیجی۔[1] اس پر حجر حسب معمول کھڑے ہو گئے اور

---

[1] اسی کو مولانا مودودی نے ان الفاظ میں تعبیر کیا ہے کہ: "وہ خطبے میں حضرت علیؓ کو گالیاں دیتا تھا اور یہ اٹھ کر اس کا جواب دینے لگتے تھے" حالانکہ جتنے حوالے مولانا نے دیئے ہیں ان میں کہیں یہ موجود نہیں ہے کہ زیاد حضرت علیؓ کو گالیاں دیتا تھا: طبری کے الفاظ یہ ہیں:

ذكر عثمان واصحابه فقرظهم وذكر قتلته ولعنهم فقام حجر...الخ

اس نے حضرت عثمانؓ اور ان کے اصحاب کا ذکر کر کے ان کی تعریف کی اور ان کے قاتلین کا ذکر کر کے ان پر لعنت بھیجی تو حجر کھڑے ہو گئے" (طبری ص ۱۹۰ ج ۴) اور ابن اثیرؒ کے الفاظ یہ ہیں:-

ترحم علی عثمان واثنی علی اصحابه ولعن قاتليه فقام حجر...الخ "اس نے حضرت عثمانؓ پر رحمت بھیجی اور ان کے اصحاب کی تعریف کی اور ان کے قاتلوں پر لعنت بھیجی۔" (ابن اثیر ص ۱۸۷ ج ۳ طبع قدیم)

اور حافظ ابن کثیرؒ کے الفاظ ہیں: وذکر فی اخرها فضل عثمانؓ وذم قتلہ اواعان علی قتلہ فقام حجر" خطبے کے آخر میں اس نے حضرت عثمانؓ کی فضیلت بیان کی اور ان کے قتل کرنے والوں اور قتل میں اعانت کرنے والوں کی مذمت کی تو حجر کھڑے ہو گئے (البدایۃ ص ۵۰ ج ۸) اور ابن خلدون کے الفاظ یہ ہیں: وترحم علی عثمان ولعن قاتلیہ وقال حجرالخ اس نے حضرت عثمان پر رحمت بھیجی اور ان کے قاتلوں پر لعنت اور حجر نے کہا الخ (ابن خلدون ص ۲۳- ج ۳) اور ابن عبدالبرؒ نے تو اس خطبے کا سرے سے ذکر ہی نہیں کیا۔ خدا ہی جانتا ہے کہ ان کے الفاظ سے مولانا مودودی صاحب نے یہ کہاں سے مستنبط کر لیا کہ "وہ خطبے میں حضرت علیؓ کو گالیاں دیتا تھا۔"

جو باتیں حضرت مغیرہؓ سے کہی تھیں وہی زیاد سے بھی کہیں' زیاد نے اس وقت انہیں کچھ نہ کہا۔[1]

اس کے بعد امام ابن سعد کا بیان ہے کہ زیاد نے حضرت حجر بن عدیؓ کو تنہائی میں بلا کر ان سے کہا کہ :

> "اپنی زبان اپنے قابو میں رکھیے اور اپنے گھر کو اپنے لئے کافی سمجھئے' اور یہ میرا تخت حاضر ہے' یہ آپ کی نشست ہے' آپ کی تمام ضروریات میں پوری کروں گا' لہٰذا آپ اپنے معاملے میں مجھے مطمئن کر دیجئے اس لئے کہ آپ کی جلد بازی مجھے معلوم ہے' اے ابو عبدالرحمٰن! میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں' ان پست فطرت اور بے وقوف لوگوں سے بچئے' یہ لوگ کہیں آپ کو آپ کی رائے سے پھسلا نہ دیں' لہٰذا اب اگر آپ کی قدر میری نگاہ میں کم ہوئی یا میں نے آپ کے حقوق میں کوتاہی کی تو یہ میری طرف سے ہرگز نہیں ہوگی۔"[2]

حجر بن عدیؓ نے یہ بات سن کر کہا کہ "میں سمجھ گیا" پھر وہ اپنے گھر چلے گئے' وہاں ان سے ان کے شیعہ دوست آکر ملے اور پوچھا کہ "امیر نے کیا کہا؟" انہوں نے پوری گفتگو بتلا دی اس پر شیعہ ساتھیوں نے کہا کہ "اس نے آپ کی خیر خواہی کی بات نہیں کی۔"[3]

اس کے بعد حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ زیاد حضرت عمرو بن حریثؓ کو کوفہ میں اپنا نائب بنا کر بصرہ جانے لگا تو اس نے حجر بن عدیؓ کو بھی ساتھ لے جانے کا ارادہ کیا' تاکہ پیچھے کوئی فتنہ کھڑا نہ ہو لیکن حجر بن عدیؓ نے یہ عذر کر دیا کہ "میں بیمار ہوں" اس پر زیاد نے جل

---

[1] یہاں تک کا واقعہ طبری' ابن اثیر' ابن کثیر اور ابن خلدون نے متفقہ طور پر بیان کیا ہے۔

[2] املک علیک لسانک ولیسعک منزلک' وھذا سریری فھو مجلسک' و حوائجک مقضیۃ لدی فاکفنی نفسک فانی اعرف عجلتک' فانشدک اللہ یا ابا عبدالرحمٰن فی نفسک' وایاک وھذہ السفلۃ وھولاء السفھاء ان یستزلوک عن رایک فانک لو ھنت علی او استخففت بحقک لم اخصک بھذا من نفسی (طبقات ابن سعد ص ۲۱۸ ج ۸ جز ۲۲ دار صادر بیروت)

[3] ایضاً والبدایہ والنہایہ ص ۵۳ ج ۸ مطبعۃ السعادۃ مصر

کر کہا کہ "تم دین، قلب اور عقل ہر اعتبار سے بیمار ہو، خدا کی قسم! اگر تم نے کوئی ہنگامہ کیا تو میں تمہارے قتل کی کوشش کروں گا۔"[1]

امام ابن سعدؒ لکھتے ہیں کہ جب زیاد بصرہ چلا گیا تو شیعہ صاحبان حجر بن عدیؓ کے پاس بکثرت آتے جاتے تھے، اور ان سے کہتے تھے کہ :

"انک شیخنا واحق الناس بانکار ھذا الامر"

"آپ ہمارے شیخ ہیں، اور تمام لوگوں سے زیادہ اس بات کے حقدار ہیں کہ اس معاملے (خلافت معاویہؓ) کا انکار کریں۔"

حجر بن عدیؓ مسجد میں جاتے تو یہ لوگ بھی ان کے ساتھ جاتے۔ زیاد کے نائب حضرت عمرو بن حریثؓ نے جب یہ دیکھا تو ایک قاصد کے ذریعہ حجرؓ کو پیغام بھیجا کہ "اے ابو عبدالرحمٰنؓ آپ تو امیر سے اپنے بارے میں عہد کر چکے ہیں، پھر یہ جماعت آپ کے ساتھ کیسی ہے؟" حجرؓ نے جواب میں کہلا بھیجا کہ جن چیزوں میں تم مبتلا ہو، تم ان کا انکار کرتے ہو، پیچھے ہٹو، تمہاری خیریت اسی میں ہے۔"[2]

اس پر حضرت عمرو بن حریثؓ نے زیاد کو لکھا کہ "اگر تم کوفہ کو بچانے کی ضرورت سمجھتے ہو تو جلدی آجاؤ۔"[3]

علامہ ابن جریر طبری وغیرہ فرماتے ہیں کہ زیاد کو یہ اطلاع ملی کہ حجر کے پاس شیعان علی جمع ہوتے ہیں اور حضرت معاویہؓ پر علی الاعلان لعنت کرتے اور ان سے برأت کا اظہار کرتے ہیں اور انہوں نے حضرت عمرو بن حریثؓ پر پتھر بھی برسائے ہیں۔[4]

---

[1] البدایہ والنہایہ، ص ۵۱ ج ۸

[2] پورا جملہ یہ ہے: تنکرون ما انتم علیہ الیک وراءک اوسع لک دوسرے جملہ کا مفہوم یقینی طور سے میں نہیں سمجھ سکا۔

[3] طبقات ابن سعد ص ۲۱۸ ج ۸ جز ۲۲ والبدایہ والنہایہ ص ۵۳ ج ۸

[4] الطبری ص ۱۹۰ ج ۴۔ ابن اثیر ص ۱۸۷ ج ۳۔ ابن خلدون ص ۲۳ ج ۳، البدایہ والنہایہ ص ۵۱ ج ۸ پہلی تین کتابوں کے الفاظ یہ ہیں۔ فبلغہ ان حجراً یجتمع الیہ شیعۃ علیؓ ویظھرون لعن معاویۃ والبراءۃ منہ وانھم حصبوا عمرو بن حریث "

امام ابن سعد فرماتے ہیں کہ زیاد یہ اطلاع پا کر بڑی برق رفتاری سے کوفہ پہنچا' یہاں آکر اس نے مشہور صحابہ حضرت عدی بن حاتمؓ' حضرت جریر بن عبداللہ البجلیؓ اور حضرت خالد بن عرفطہ الازدی رضی اللہ عنہم اور کوفہ کے بعض دوسرے شرفاء کو بلایا اور ان سے کہا کہ آپ جا کر حجر بن عدیؒ کو اتمام حجت کے طور پر سمجھائیں کہ وہ اس جماعت سے باز رہیں اور جو باتیں وہ کہتے رہتے ہیں ان سے اپنی زبان قابو میں رکھیں۔ یہ حضرات ان کے پاس گئے مگر حجر بن عدیؒ نے نہ کسی سے بات کی' نہ کسی کی بات کا جواب دیا بلکہ ان کا ایک اونٹ گھر کے ایک کونے میں کھڑا تھا اس کی طرف اشارہ کر کے اپنے غلام سے کہا کہ "لڑکے! اونٹ کو چارہ کھلاؤ۔" جب انہوں نے ان حضرات کی بات اس طرح سنی ان سنی کر دی تو حضرت عدیؓ[۱] بن حاتم رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

"کیا تم دیوانے ہو؟ میں تم سے بات کر رہا ہوں' اور تم کہتے ہو کہ لڑکے! اونٹ کو چارہ کھلاؤ"

اس کے بعد حضرت عدی بن حاتمؓ نے اپنے ساتھیوں سے خطاب کر کے فرمایا "مجھے گمان بھی نہ تھا کہ یہ بے چارہ ضعف کے اس درجے کو پہنچ گیا ہو گا جو میں دیکھ رہا ہوں۔

اس طرح یہ حضرات واپس آگئے اور زیاد کے پاس آکر حجر کی کچھ باتیں بتائیں اور کچھ چھپالیں' اور زیاد سے درخواست کی کہ ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرے' زیاد نے جواب میں کہا کہ "اگر میں اب ان کے ساتھ نرمی کروں تو میں ابو سفیان کا بیٹا نہیں"[۲]

علامہ ابن جریر طبریؒ وغیرہ نے حضرت عدی بن حاتمؓ کا یہ واقعہ نقل نہیں کیا اس کے بجائے انہوں نے لکھا ہے کہ زیاد نے کوفہ میں ایک خطبہ دیا' غالباً یہ خطبہ حضرت عدی حاتمؓ کی واپسی کے بعد دیا ہو گا۔ بہر حال! ابن جریرؒ وغیرہ کے بیان کے مطابق زیاد جمعہ کے دن منبر پر پہنچا' اس وقت حجر بن عدیؒ اور ان کے ساتھی حلقہ بنائے بیٹھے تھے' زیاد نے کہا :

"حمد و صلوۃ کے بعد' یاد رکھو کہ ظلم اور بغاوت کا انجام بہت برا ہے۔ یہ لوگ (حجر اور ان کے ساتھی) جتھہ بنا کر بہت اترا گئے ہیں۔ انہوں نے مجھے

---

[۱] البدایہ والنہایہ ص ۵۱ ج ۸

[۲] طبقات ابن سعد ص ۲۱۸ و ۲۱۹ ج ۸ جز ۲۲ والبدایہ والنہایہ ص ۵۳ ج ۸

اپنے حق میں بے ضرر پایا تو مجھ پر جری ہو گئے اور خدا کی قسم! اگر تم سیدھے نہ ہوئے تو میں تمہارا علاج اسی دوا سے کردوں گا جو تمہارے لائق ہے' اور اگر میں کوفہ کی زمین کو حجر سے محفوظ نہ کردوں اور اس کو آنے والوں کے لئے سامان عبرت نہ بنادوں تو میں بھی کوئی چیز نہیں" [۱]

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اس کے بعد زیاد نے خطبہ میں یہ بھی کہا کہ :

"ان من حق امیر المومنین یعنی کذا وکذا"

تم پر امیر المومنین کے فلاں اور فلاں حقوق ہیں۔"

اس پر حجر بن عدیؓ نے کنکریوں سے ایک مٹھی بھری اور زیاد پر دے ماری اور کہا کہ :

"کذبت! علیک لعنۃ اللہ"

تم پر خدا کی لعنت! تم نے جھوٹ کہا[۲]

اس پر زیاد منبر سے اترا اور نماز پڑھی۔

بعض راویوں نے اس خطبہ میں یہ قصہ ذکر کیا ہے کہ جب زیاد کا خطبہ طویل ہو گیا اور نماز کو دیر ہونے لگی تو حجر بن عدیؓ نے مٹھی بھر کنکریاں زیاد پر دے ماریں تب زیاد منبر سے اترا اور نماز پڑھی۔

بہر کیف! اس خطبے میں حجر بن عدیؓ کے کنکریاں مارنے کی وجہ خواہ کچھ ہو' اسی خطبے کے بعد زیاد نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حجر بن عدیؓ کے تمام حالات تفصیل کے ساتھ بھیجے' اس پر حضرت معاویہؓ نے حکم دیا کہ "حجر کو گرفتار کر کے میرے پاس بھیج دو"[۳]

اس مرحلے پر زیاد نے اپنے امیر شرطہ (پولیس سپرنٹنڈنٹ) شداد بن الہیثم کو حکم دیا کہ حجر کو بلا کر لاؤ' حسین بن عبداللہ ہمدانی کہتے ہیں کہ جس وقت زیاد کا یہ حکم آیا' میں شداد

---

[۱] الطبری ص ۱۹۰ ج ۴' ابن اثیر ص ۱۸۷ ج ۳' البدایہ والنہایہ ص ۵۱ ج ۸ الفاظ یہ ہیں:

اما بعد فان غب البغی والغی وخیم ان ہولاء جموا فاشروا وامنونی فاجترء واعلی وایم اللہ لئن لم تستقیموا الا داوینکم بدوائکم و قال ما انا بشیئی ان لم امنع باحۃ الکوفۃ من حجر وادعہ نکالا لمن بعدہ

[۲] البدایہ والنہایہ: ص ۵۱ ج ۸

[۳] الطبری' ص ۱۹۰' ج ۴۔ البدایہ والنہایہ ص ۵۱ ج ۸' الاستیعاب تحت الاصابہ ص ۳۵۵ ج ۱

کے پاس بیٹھا تھا۔ شداد نے مجھ سے کہا کہ تم جا کر حجرؓ کو بلا لاؤ' میں نے حجرؓ کے پاس جا کر کہا کہ "امیر آپ کو بلاتے ہیں" اس پر ان کے ساتھیوں نے کہا "یہ اس کے پاس نہیں جائیں گے" میں نے واپس آکر شداد کو ان کا جواب سنایا تو اس نے میرے ساتھ کچھ اور آدمی بھیج دیئے ہم سب نے جا کر ان سے کہا کہ امیر کے پاس چلئے۔"

فسبونا وشتمونا

تو حجر کے ساتھیوں نے ہمیں گالیاں دیں اور برا بھلا کہا۔[1]

جب صورت حال اس درجہ سنگین ہو گئی تو زیاد نے شرفاء کوفہ کو جمع کر کے ایک جوشیلی تقریر کی اور کہا کہ ہر شخص اپنے اپنے رشتہ داروں کو حجرؓ کی جماعت سے الگ کرنے کی کوشش کرے' اس کے بعد پھر امیر شرطہ شداد بن الہیثم کو زیادہ آدمی دے کر بھیجا اور تاکید کی کہ اگر حجرؓ تمہاری بات مان لیں تو انہیں لے آؤ' ورنہ ان سے لڑائی کرو' چنانچہ شداد نے تیسری بار جا کر حجرؓ سے کہا کہ "امیر کے پاس چلو" مگر حجرؓ کے ساتھیوں نے جواب میں کہا کہ "ہم پلک جھپکنے کی دیر کے لئے بھی امیر کا یہ حکم نہیں مانیں گے"[2] اس پر فریقین میں لاٹھیوں اور پتھروں سے سخت لڑائی ہوئی[3] مگر زیاد کی پولیس حجرؓ اور ان کے ساتھیوں پر غالب نہ آسکی اور وہ گرفتار نہ ہوئے۔

اس کے بعد حجرؓ بن عدی جائے واردات سے فرار ہو کر کندہ کے محلے میں پہنچ گئے' کندہ میں سب حجرؓ بن عدی کی قوم کے افراد آباد تھے' حجرؓ کے ساتھیوں نے یہاں کے تمام لوگوں کو جنگ پر آمادہ کیا' حجرؓ کا ایک ساتھی قیس بن قمدان ایک گدھے پر سوار ہو کر یہ اشعار پڑھتا پھر رہا تھا کہ :

یا قوم حجر دافعوا وصاولوا و عن اخیکم ساعة فقاتلوا

لا یلفین منکم لحجر خاذل الیس فیکم رامح و نابل

وفارس مستلئم و راجل و ضارب بالسیف لایزائل

---

[1] الطبری ص ۱۹۱ ج ۴

[2] لاولا نعمة عین لا نجیبه (طبری ص ۱۹۱ ج ۴)

[3] طبری ص ۱۹۱' ۱۹۲ ج ۴' البدایہ ص ۵۱ ج ۸' طبقات ابن سعد ص ۲۱۹ ج ۶' ابن کثیر کے الفاظ ہیں فکان بینهم قتال بالحجارة والعصی فعجزوا عنه اور ابن سعد فرماتے ہیں فقاتلهم بمن معه

"اے حجر کی قوم! دفاع کرو اور آگے بڑھ کر حملے کرو' اور اسی وقت اپنے بھائی کی طرف سے لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ تم میں کوئی شخص ایسا نہ ہو جو حجر کو بے یار و مددگار چھوڑ جائے' کیا تم میں کوئی تیرانداز اور نیزے کا دھنی نہیں؟ کیا تم میں کوئی جم کر بیٹھنے ولا شہسوار نہیں؟ کیا تم میں کوئی ایسا تیغ زن نہیں جو ہٹنا نہ جانتا ہو؟"[1]

زیاد نے کوفہ کے مختلف باشندوں کو کندہ پر چڑھائی کرنے کے لئے بھیجا' یہاں بھی سخت جنگ ہوئی۔ مگر حجر بن عدیؓ فرار ہو کر روپوش ہو گئے۔[2] جب ان کو پکڑنے کی کوئی اور صورت نہ رہی تو زیاد نے محمد بن الاشعث کو بلا کر ان سے کہا کہ تم تین دن کے اندر حجرؓ کو تلاش کر کے پہنچا دو' ورنہ تمہاری خیر نہیں' محمد بن الاشعث سواروں کی ایک جماعت کے ساتھ ان کو تلاش کرتے رہے بالآخر حجرؓ نے خود ہی اپنے آپ کو اس شرط پر حاضر ہونے کے لئے پیش کیا کہ "مجھے امان دی جائے' اور معاویہؓ کے پاس بھیج دیا جائے۔" زیاد نے اس شرط کو منظور کر لیا تو حجرؓ اس کے پاس پہنچے' زیاد نے انہیں دیکھ کر کہا :

"مرحبا! ابو عبدالرحمٰن! تم جنگ کے زمانے میں تو جنگ کرتے ہی تھے' اس وقت بھی جنگ کرتے ہو جب سب لوگ صلح کر چکے ہیں۔"

اس کے جواب میں حجرؓ نے کہا :

"میں نے اطاعت نہیں چھوڑی' اور نہ جماعت سے علیحدگی اختیار کی ہے میں اب بھی اپنی بیعت پر قائم ہوں۔"

زیاد نے کہا :

"حجر : افسوس ہے کہ تم ایک ہاتھ سے زخم لگاتے ہو اور دوسرے سے مرہم' تم یہ چاہتے ہو کہ جب اللہ نے ہمیں تم پر قابو دیا تو ہم تم سے خوش ہو جائیں۔"

حجرؓ نے کہا : "کیا تم نے معاویہؓ کے پاس پہنچنے تک مجھے امن نہیں دیا؟"

زیاد نے کہا : "کیوں نہیں ہم اپنے عہد پر قائم ہیں"

---

[1] الطبری ص ۱۹۳ ج ۴

[2] طبریؒ نے ص ۱۹۴ سے ۱۹۶ تک اس لڑائی اور روپوشی کے حالات تفصیل سے بیان کئے ہیں

یہ کہہ کر زیاد نے انہیں قید خانہ بھیج دیا اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ "اگر مجھے امانت کا خیال نہ ہوتا تو یہ شخص جان بچا کر یہاں سے نہ جا سکتا۔"

اس طرح حجر بن عدیؓ تو گرفتار ہو گئے، لیکن ان کے دوسرے ساتھی جو اصل فتنے کا سبب تھے، بدستور روپوش رہے۔ اس کے بعد زیاد نے کوفہ کے چار سرداروں حضرت عمرو بن حریثؓ، حضرت خالد بن عرفطہؓ، حضرت ابو بردہ بن ابی موسیٰؓ اور قیس بن الولید کو جمع کر کے ان سے کہا :

اشهدوا علی حجر بما رایتم منه

"حجرؓ کے بارے میں تم نے جو کچھ دیکھا ہے اس کی گواہی دو"

ان چاروں حضرات نے جو گواہی دی، اس کے الفاظ طبریؒ نے اس طرح نقل کئے ہیں

"حجرؓ نے اپنے[1] گرد بہت سے جتھے جمع کر لئے ہیں اور خلیفہ کو کھلم کھلا برا بھلا کہا ہے اور امیر المومنین کے خلاف جنگ کرنے کی دعوت دی ہے اور ان کا عقیدہ یہ ہے کہ خلافت کا آل ابی طالب کے علاوہ کوئی مستحق نہیں، انہوں نے ہنگامہ برپا کر کے امیر المؤمنین کے گورنر کو نکال باہر کیا اور یہ ابو ترابؓ (حضرت علیؓ) کو معذور سمجھتے اور ان پر رحمت بھیجتے ہیں اور ان کے دشمن اور ان سے جنگ کرنے والوں سے براءت کا اظہار کرتے ہیں، اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ ان کے ساتھیوں کے سرگروہ ہیں، اور ان ہی جیسی رائے رکھتے ہیں۔"

پھر زیاد نے چاہا کہ ان چار حضرات کے علاوہ دوسرے لوگ بھی اس گواہی میں شریک ہوں، چنانچہ اس نے ان حضرات کی گواہی لکھ کر لوگوں کو جمع کیا، ان کو یہ گواہی پڑھ کر سنائی اور لوگوں کو دعوت دی کہ جو لوگ اس گواہی میں شریک ہونا چاہیں وہ اپنا نام لکھوا دیں، چنانچہ لوگوں نے نام لکھوانے شروع کئے، یہاں تک کہ ستر افراد نے اپنے نام لکھوائے لیکن

[1] ان حجرا جمع الیه الجموع واظهر شتم الخلیفة و دعا الی حرب امیر المومنین و زعم ان هذا الامر لا یصلح الا فی آل ابی طالب و وثب بالمصر واخرج عامل امیر المومنین و اظهر عذر ابی تراب والترحم علیه والبراءة من عدوه و اهل حربه وان هولاء النفر الذین معه هم رئوس اصحابه وعلی مثل رایه وامره۔

زیاد نے کہا کہ ان میں سے صرف وہ نام باقی رکھے جائیں جو اپنی دینداری اور حسب و نسب کے اعتبار سے معروف ہوں' چنانچہ چوالیس نام لکھے گئے اور باقی ساقط کر دیئے گئے۔[1]

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان چوالیس گواہوں میں سے بعض حضرات کا مختصر تعارف کرا دیا جائے۔

جن چار گواہوں نے ابتداءً گواہی دی ان میں سب سے پہلے تو حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ' ہیں یہ باتفاق صحابہ میں سے ہیں۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر کیا تھی؟ بعض حضرات نے بارہ سال عمر بتائی ہے مگر ابوداؤد میں ان ہی کی ایک روایت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک مکان کی جگہ عطا فرمائی تھی۔ اس سے حافظ ابن حجرؒ نے استدلال کیا ہے کہ یہ کبار صحابہ میں سے ہیں' انہوں نے بعض احادیث براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہیں اور بعض حضرت ابو بکرؓ' حضرت عمرؓ وغیرہ کبار صحابہؓ کے واسطے سے۔[2]

دوسرے حضرت خالد بن عرفطہ ازدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں' یہ بھی مشہور صحابی ہیں' انہوں نے بھی براہ راست آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی حدیثیں روایت کی ہیں' جنگ قادسیہ میں حضرت سعدؓ نے ان کو نائب سپہ سالار بنایا تھا' اور حضرت عمرؓ نے بذات خود حضرت سعدؓ کو یہ حکم دیا تھا کہ ان کو امیر لشکر بنایا جائے' ایک مرتبہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے ان کو کوفہ میں اپنا نائب بھی بنایا تھا۔[3]

تیسرے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے حضرت ابو بردہؒ ہیں جو صحابی تو نہیں' مگر جلیل القدر تابعی ہیں' اعلیٰ درجے کے فقہاء میں سے ہیں' اور بے شمار احادیث کے راوی ہیں' حضرت علیؓ کے شاگردوں میں سے ہیں' ان کے علاوہ بہت سے

---

[1] الطبری ص ۱۹۳ تا ۲۰۱ ج ۴

[2] طبقات ابن سعد ص ۲۳ ج ۶ جزو ۲۱' و تہذیب التہذیب ص ۱۷ ج ۸' دائرۃ المعارف دکن ۱۳۲۶ھ والاصابہ ص ۵۲۴ ج ۲ و تجرید اسماء الصحابۃ لابن اثیر الجزریؒ ص ۴۳۵ ج ۱' دائرۃ المعارف دکن ۱۳۱۵ھ

[3] ابن سعد' ص ۲۱ ج ۶ جزو ۲۱ والاصابہ ص ۴۰۹ ج ۱ و تہذیب ص ۱۰۶ ج ۳

جلیل القدر صحابہ سے بکثرت احادیث روایت کی ہیں' کوفہ کے قاضی بھی رہے ہیں' امام ابن سعد فرماتے ہیں کہ کان ثقۃ کثیر الحدیث (ثقہ ہیں اور بہت سی احادیث کے راوی ہیں) امام عجلیؒ فرماتے ہیں۔

کوفی تابعی ثقۃ [۱]

چوتھے صاحب قیس بن الولید ہیں' ان کے حالات ہمیں کہیں نہ مل سکے۔ اس کے بعد جن ستر حضرات نے اپنے نام لکھوائے ان میں سے ایک حضرت وائل ابن حجر حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جو معروف صحابہ میں سے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سی احادیث روایت کی ہیں۔ [۲]

دوسرے حضرت کثیر بن شہابؓ ہیں' ابن عساکرؒ نے انہیں صحابی قرار دیا ہے' ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ ان کا صحابی ہونا مشکوک ہے' مگر حافظ ابن حجرؒ نے راجح اسی کو قرار دیا ہے کہ یہ صحابی ہیں' اور حضرت عمرؓ نے انہیں کسی جگہ کا امیر بھی بنایا تھا۔ [۳]

ان کے علاوہ ایک بزرگ حضرت موسیٰ بن طلحہؒ ہیں جو مشہور صحابی حضرت طلحہؓ کے صاحبزادے ہیں۔ اور بے شمار احادیث کے راوی ہیں۔ امام عجلیؒ فرماتے ہیں کہ "تابعی ثقۃ و کان خیاراً" اور حضرت مرہؒ کا کہنا ہے کہ کوفی ثقۃ رجل صالح امام ابو حاتمؒ فرماتے ہیں کہ انہیں حضرت طلحہؓ کے تمام صاحبزادوں میں محمد کے بعد سب سے افضل کہا جاتا ہے اور اپنے زمانے میں لوگ انہیں ہدایت یافتہ کہا کرتے تھے' ابن خراش کا کہنا ہے کہ "جلیل القدر مسلمانوں میں سے ہیں" [۴] امام ابن سعدؒ فرماتے ہیں کہ ثقہ تھے اور بہت سی احادیث کے راوی۔ [۵]

اسی طرح حضرت طلحہؓ کے ایک اور صاحبزادے حضرت اسحاق بن طلحہؒ نے بھی گواہوں میں اپنا نام لکھوایا تھا' یہ بھی راویٔ حدیث ہیں۔ اور ابن حبان نے انہیں ثقہ قرار

---

[۱] تہذیب التہذیب ص ۱۸ ج ۱۲ و طبقات ابن سعد ص ۲۶۸ ج ۶ جزو ۲۳

[۲] الاصابہ ص ۵۹۲ ج ۳' الاستیعاب تحت الاصابہ ص ۶۰۵ ج ۳' ابن سعد ص ۳۶ ج ۶ جزو ۲۱

[۳] الاصابہ ص ۲۷۱ ج ۳' الاستیعاب ص ۳۰۰ ج ۳' ابن سعد ص ۱۴۹ ج ۶ جزو ۲۲

[۴] تہذیب التہذیب ص ۳۵۰' ۳۵۱ ج ۱۰۔ [۵] ابن سعد ص ۲۱۲ ج ۶ جزو ۲۲

دیا ہے۔[1]

ان کے علاوہ دوسرے گواہوں کے حالات کی تحقیق کی ہم نے ضرورت نہیں سمجھی۔ یہاں یہ واضح رہنا ضروری ہے کہ طبری ہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان گواہیوں پر کسی قسم کا جبر نہیں کیا گیا۔ کیونکہ زیاد نے مختار بن ابی عبید اور حضرت مغیرہ بن شعبہ کے صاحبزادے عروہ کو بھی گواہی دینے کے لئے بلایا مگر انہوں نے انکار کر دیا تھا چنانچہ ان کا نام گواہوں میں نہ لکھا گیا۔[2]

غرض ان تمام گواہوں کی گواہی قلم بند کی گئی، اور گواہیوں کا یہ صحیفہ شرعی اصول کے مطابق حضرت وائل بن حجرؓ اور حضرت کثیر بن شہاب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حوالے کیا گیا کہ وہ خود جا کر حضرت معاویہؓ کو پہنچائیں، حجر بن عدیؒ اور ان کے بارہ ساتھی بھی ان ہی دو حضرات صحابہ کی تحویل میں دے دیئے گئے۔

اس کے ساتھ زیاد نے حضرت معاویہؓ کے نام ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا۔

> "اللہ نے امیرالمومنین سے بڑی بلا دور کر کے احسان فرمایا ہے کہ آپ کے دشمنوں کو زیر کر دیا، ان ترابی اور سبائی سرکشوں نے جن کے سرگروہ حجر بن عدی ہیں، امیرالمومنین کے خلاف بغاوت کی تھی، اور مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ ڈالا تھا، اور ہمارے خلاف جنگ ٹھان لی تھی، اللہ نے ہمیں ان پر غلبہ عطا فرمایا اور ہمیں ان پر قابو دے دیا، میں نے شہر کے چیدہ صلحاء، اشراف، معمر اور بزرگ افراد کو بلایا تھا انہوں نے جو کچھ دیکھا اس کی شہادت دی، اب ان لوگوں کو میں نے امیرالمومنین کے پاس بھیج دیا ہے اور اہل شہر کے صلحاء کی گواہی میں نے اپنے اس خط کے ساتھ بھیج دی ہے۔"[3]

اس طرح یہ مقدمہ حضرت وائل بن حجرؓ اور حضرت کثیر بن شہابؓ نے حضرت معاویہؓ

---

[1] تہذیب التہذیب ص ۲۳۸ ج ۱

[2] الطبری ص ۲۰۱، ج ۴

[3] ایضاً ص ۲۰۲ ج ۴

کی خدمت میں پیش کیا۔

حضرت معاویہؓ کو حجر بن عدیؓ اور ان کے ساتھیوں کی شورشوں کا پہلے ہی کافی علم ہو چکا تھا، اب ان کے پاس چوالیس قابل اعتماد گواہیاں ان کی باغیانہ سرگرمیوں پر پہنچ گئیں، ان گواہوں میں حضرت وائل بن حجرؓ، حضرت کثیر بن شہابؓ، حضرت عمرو بن حریثؓ اور حضرت خالد بن عرفطہؓ جیسے جلیل القدر صحابہ بھی تھے اور حضرت ابو بردہؒ، حضرت موسیٰ بن طلحہ اور حضرت اسحاق بن طلحہؒ جیسے فقہاء و محدثین اور صلحائے امت بھی، حجر بن عدیؓ اور ان کے ساتھیوں کے جرم بغاوت کو ثابت کرنے کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے؟ ان کا یہ جرم روز روشن کی طرح ثابت ہو گیا اور ظاہر ہے کہ بغاوت کی سزا "موت" ہے۔

لیکن حضرت معاویہؓ نے اپنے طبعی حلم اور بردباری کی بناء پر قتل کے فیصلے میں جلدی نہیں کی، چنانچہ زیاد کے نام ایک خط میں تحریر فرمایا کہ :

> "حجرؓ اور ان کے اصحاب کے بارے میں جو واقعات تم نے لکھے وہ میں نے سمجھ لئے، تم نے جو شہادتیں بھیجیں ان سے بھی باخبر ہو گیا، اب میں اس معاملے میں غور کر رہا ہوں، کبھی سوچتا ہوں کہ ان لوگوں کو قتل کروا دینا ہی بہتر ہے اور کبھی خیال آتا ہے کہ قتل کی بہ نسبت معاف کر دینا افضل ہے۔ والسلام

زیاد نے اس کے جواب میں لکھا کہ :

> حجرؓ اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں آپ کی رائے مجھے معلوم ہو گئی، مجھے تعجب ہے کہ آپ کو اس معاملے میں تردّد کیوں ہے، حالانکہ ان لوگوں کے خلاف ان حضرات نے گواہی دی ہے جو ان لوگوں کو زیادہ جانتے ہیں، لہٰذا اگر آپ کو اس شہر (کوفہ) کی ضرورت ہو تو آپ حجر اور ان ساتھیوں کو میرے پاس واپس نہ بھیجیں۔"[1]

اس کے باوجود حضرت معاویہؓ نے بعض صحابہؓ کے کہنے پر چھ افراد کو چھوڑ دیا اور آٹھ افراد کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ حجر بن عدیؓ کے بارے میں ایک صاحب نے سفارش کی تو حضرت معاویہؓ نے فرمایا :

---

[1] الطبری ۲۰۳ ج ۴

"یہ تو ان سب لوگوں کے سردار ہیں' اور اگر میں نے ان کو چھوڑ دیا تو مجھے اندیشہ ہے کہ یہ پھر شہر میں فساد کریں گے۔"[1]

چنانچہ حضرت معاویہؓ نے انہیں قتل کرنے کا حکم جاری فرمایا۔

حجر بن عدیؓ کے عبادت و زہد کی دور دور شہرت تھی' اس لئے جب حضرت عائشہؓ کو علم ہوا کہ حضرت معاویہؓ نے انہیں قتل کرنے کا حکم دیا ہے تو انہوں نے حضرت معاویہؓ کے نام پیغام بھیجا کہ حجر بن عدیؓ کو رہا کر دیں' پیغام حضرت معاویہؓ کو اس وقت ملا جب وہ قتل کا حکم صادر فرما چکے تھے لیکن انہوں نے فوراً ایک قاصد جلادوں کے پاس روانہ کیا کہ ابھی حجر بن عدیؓ کو قتل نہ کریں لیکن جب یہ قاصد پہنچا و حجرؓ اور ان کے چھ ساتھی قتل کئے جا چکے تھے۔[2]

یہ ہے حجر بن عدیؓ کے قتل کا وہ واقعہ جو خود مولانا مودودی کے حوالوں سے ماخوذ ہے[3] ہم نے یہ واقعہ انہی کتب سے لیا ہے جن کا مولانا مودودی نے حوالہ دیا ہے اور زیادہ تفصیلات طبری سے نقل کی ہیں جو مولانا کا پسندیدہ ماخذ ہے۔ اگرچہ طبریؒ نے اس واقعہ میں تقریباً تمام روایات ابو مخنف کے حوالے سے بیان کی ہیں جس کے بارے میں ہم بتا چکے ہیں کہ نہایت نا قابل اعتماد شیعہ راوی ہے۔ اور اس نے یہ روایت اپنے جن استادوں سے لی ہے ان کے بارے میں بھی ہم "حضرت علی پر سبّ و شتم" کے عنوان کے تحت بتلا چکے ہیں کہ وہ شیعہ تھے[4] لیکن خود ان شیعہ راویوں نے حجر بن عدیؓ کا واقعہ جس طرح نقل کیا ہے وہ ہم نے بیان کر دیا ہے۔

اب آپ مولانا مودودی صاحب کی عبارت ایک بار پھر پڑھئے۔ مولانا نے اس واقعہ کے اہم ترین اجزاء کو یکسر حذف کر کے جس طرح یہ واقعہ ذکر کیا ہے اس سے یہ تاثر قائم

---

[1] الطبری ص ۲۰۴ ج ۴

[2] البدایہ والنہایہ ص ۵۴ ج ۸ و طبقات ابن سعد ص ۲۱۹ و ۲۲۰ ج ۶ جزو ۲۲ و ابن خلدون ص ۲۹ ج ۳

[3] طبقات ابن سعد کا حوالہ اگرچہ مولانا نے نہیں دیا لیکن ان کی جتنی باتیں ہم نے بیان کی ہیں وہ سب البدایہ والنہایہ میں بھی موجود ہیں جس کا حوالہ مولانا نے دیا ہے۔

[4] لہٰذا جیسا کہ ہم آگے وضاحت کے ساتھ بیان کریں گے' ان روایات کا وہ حصہ نا قابل اعتماد ہے جن میں بعض صحابہؓ کی طرف حضرت علیؓ کے خلاف سبّ و شتم کو منسوب کیا گیا ہے۔

ہوتا ہے کہ :

۱ ۔ حجر بن عدی قطعی طور پر بے گناہ تھے۔

۲ ۔ اصل گناہ حضرت مغیرہؓ اور زیاد کا تھا کہ وہ حضرت علیؓ کو بر سر منبر گالیاں دیا کرتے تھے۔

۳ ۔ حجر بن عدیؓ نے اس گناہ پر ان دونوں کو ٹوکا۔

۴ ۔ اس ٹوکنے کی پاداش میں زیاد نے انہیں گرفتار کر لیا۔

۵ ۔ شہادتیں لینے کا ذکر بھی مولانا نے اس طرح کیا ہے کہ گویا ساری شہادتیں جھوٹی تھیں اور کرائے کے چند گواہ جمع کر لئے گئے تھے۔

۶ ۔ اور خواہ مخواہ ان پر بغاوت کا الزام عائد کر کے ان کے خلاف شہادتیں لیں۔

۷ ۔ حضرت معاویہؓ نے بے سمجھے بوجھے غصے میں آکر قتل کا حکم دے دیا۔

واقعے کی مذکورہ تفصیلات کو ذہن میں رکھ کر انصاف فرمائیے کہ کیا ان میں سے کوئی ایک بات بھی صحیح ہے؟

پھر واقعے کی اس قطعی طور پر غلط اور خلاف واقعہ تصویر سے مولانا نے پورے زور قلم کے ساتھ اس کلیے کا استنباط کر لیا ہے کہ اس دور میں زبانیں بند کر دی گئی تھیں، ضمیروں پر قفل چڑھا دیئے گئے تھے، اظہار رائے کی آزادی کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ اور حق گوئی کی پاداش قتل قرار پا گئی تھی۔

حضرت معاویہؓ کا معاملہ تو بہت ہی بلند و بالا ہے۔ واقعے کی تمام تفصیلات دیکھنے کے بعد ہمیں تو کہیں زیاد کے بارے میں بھی یہ نظر نہ آسکا کہ اس نے حجر بن عدیؓ کے معاملے میں اصول شرع کے خلاف کوئی کام کیا ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ حجر بن عدیؓ اور ان کے ساتھیوں نے کھلم کھلا اسلامی حکومت کے خلاف بغاوت کی تھی اور اگر ان کو اس وقت گرفتار نہ کیا جاتا تو نہ جانے کوفہ میں کتنے مسلمانوں کا خون بہہ جاتا۔ حضرت معاویہؓ نے ایک صاحب کے سوال کے جواب میں بالکل درست فرمایا کہ۔ "قتلہ احب الی من ان اقتل معہ مائۃ الف" (حجر بن عدی کا قتل کرنا مجھے زیادہ پسند تھا، بہ نسبت اس کے کہ میں ان کے ساتھ ایک لاکھ آدمیوں کو قتل کروں)۔[1]

آپ نے دیکھ لیا کہ :

[1] البدایہ والنہایہ ص ۵۴ ج ۸

○ (۱) حجر بن عدیؒ اور ان کے ساتھی سرے سے حضرت معاویہؓ کی حکومت کے خلاف تھے۔

○ (۲) حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے مکمل طور سے مطمئن ہو جانے کے باوجود یہ انہیں بار بار بغاوت پر اکساتے رہے اور جب وہ بغاوت پر راضی نہ ہوئے تو ان سے بھی ناراضی کا اظہار کیا۔

○ (۳) حضرت معاویہؓ کے کسی گورنر سے کبھی حضرت علیؓ کی شان میں کوئی ایسا لفظ استعمال کرنا ثابت نہیں جسے گالی کہا جا سکے۔

○ (۴) اس کے بجائے یہ لوگ حضرت عثمانؓ اور حضرت معاویہؓ پر کھلم کھلا لعن طعن کرتے تھے۔

○ (۵) امراء کی بات بات پر ان کے خلاف شورش کرنا ان کی عادت بن گئی تھی۔

○ (۶) حضرت مغیرہؓ اور زیاد نے انہیں اولاً نہایت معقولیت اور شرافت کے ساتھ فہمائش کی کہ ان حرکتوں سے باز آجائیں۔

○ (۷) انہوں نے اس فہمائش کے دوران سکوت اختیار کیا' کوئی شکایت پیش نہیں کی لیکن واپس آکر پھر خلافت معاویہؓ کا انکار کیا اور ان پر لعنت بھیجنی شروع کی' اور گورنر کوفہ حضرت عمرو بن حریثؓ پر پتھر برسائے۔

○ (۸) زیاد نے اس موقع پر بھی کوئی سخت کارروائی کرنے کے بجائے حضرت عدی بن حاتمؓ، حضرت جریر بن عبداللہ البجلیؓ اور حضرت خالد ابن عرفطہ رضی اللہ عنہم جیسے صحابہ کو بھیجا کہ انہیں سمجھانے کی کوشش کریں' مگر انہوں نے ان سے رخ دے کر بات ہی نہ کی۔

○ (۹) اس موقع پر زیاد نے دھمکی دی کہ "اگر تم سیدھے نہ ہوئے تو تمہارا علاج اس دوا سے کرونگا جو تمہارے لائق ہے۔" اور اس دھمکی کے ساتھ انہیں پھر سمجھایا کہ امیر المومنین کے تم پر کیا حقوق ہیں مگر حجر بن عدیؒ نے اس موقع پر پھر زیاد پر کنکر برسائے اور کہا کہ "تجھ پر خدا کی لعنت' تو نے جھوٹ کہا۔"

○ (۱۰) انہیں زیاد نے بحیثیت گورنر حکم دیا کہ وہ اس کے پاس آئیں' مگر انہوں نے یہ حکم ماننے سے صاف انکار کر دیا۔ دوسری بار آدمی بھیجے گئے' انہوں نے بھی سوائے امیر کا پیغام پہنچانے کے انہیں کچھ نہیں کہا' مگر حجرؒ کے ساتھیوں نے انہیں گالیاں دے کر رخصت

کر دیا۔

○ (۱۱) تیسری بار کوفہ کے شرفاء اور پولیس سپرنٹنڈنٹ کو بھیجا گیا کہ انہیں بلا کر لائیں' انہوں نے بھی شروع میں سوائے اس کے کچھ نہ کہا کہ "امیر کے پاس چلو" لیکن انہوں نے جواب دیا کہ ہم یہ حکم نہیں مانیں گے' اس پر پولیس نے زبردستی کی تو یہ لوگ لڑنے کے لئے تیار ہو گئے۔ لاٹھیوں اور پتھروں سے باقاعدہ لڑائی لڑی اور قابو میں نہ آئے۔

○ (۱۲) پھر کندہ پہنچ کر پورے محلے کو بغاوت کا گڑھ بنا دیا۔ اور باقاعدہ جنگ کی تیاریاں ہوئیں اور رزمیہ اشعار پڑھے گئے۔ اور جب زیاد نے یہاں اپنے آدمی بھیجے تو ان لوگوں نے سخت جنگ کی' اور بالآخر روپوش ہو گئے۔

○ (۱۳) اس کے بعد جب انہیں گرفتار کر لیا گیا تو کہنے لگے "ہم اپنی بیعت پر قائم ہیں۔"

○ (۱۴) چالیس مقتدر ہستیوں نے ان کے خلاف بغاوت کی شہادت دی' جن میں جلیل القدر صحابہ کرامؓ' فقہاءؒ اور محدثین شامل تھے' اور اس شہادت میں کسی پر جبر کرنے کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

○ (۱۵) ان تمام واقعات سے باخبر ہو کر اور مذکورہ شہادتیں دیکھ کر حضرت معاویہؓ نے ان کے قتل کا حکم صادر فرمایا۔

حقیقت یہ ہے کہ جو شورش حجر بن عدیؓ اور ان کے اصحاب نے کھڑی کر دی تھی' اگر اسی کا نام "حق گوئی" اور "اظہار رائے" ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بغاوت "فتنہ و فساد" اور "شورش" کے الفاظ لغت سے خارج کر دینے چاہئیں۔

مولانا مودودی صاحب نے یہ دیکھنے کے لئے کہ حجر بن عدیؓ کا قتل شرعاً جائز تھا یا ناجائز ان واقعات کی تحقیق کرنے کی ضرورت محسوس نہیں فرمائی جو خود کوفہ میں پیش آئے تھے' اور جنہیں علامہ طبریؒ نے کم و بیش دس پندرہ صفحات میں بیان کیا ہے۔ اس کے بجائے اس قتل کے ناجائز ہونے پر ایک خراسان کے گورنر ربیع بن زیاد حارثی کے مجمل قول کا حوالہ دیا ہے جو اس وقت کوفہ اور شام سے سینکڑوں میل دور بیٹھے ہوئے تھے۔ دوسرے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ تعالیٰ عنہا کے ایک محرف ارشاد کا جو اس وقت مدینہ طیبہ میں تشریف فرما تھیں' تیسرے ان جلّادوں کے قول کا جنہوں نے حجر بن عدیؓ کو قتل کیا۔ اب ان تینوں اقوال کی حقیقت بھی دیکھ لیجئے۔

جہاں تک ربیع بن زیاد حارثی کا تعلق ہے۔ سو وہ خراسان کے گورنر تھے اور وہیں پر انہیں حجر بن عدیؓ کے قتل کی اطلاع ملی۔ انہوں نے فرمایا کہ "خدایا! اگر تیرے علم میں میرے اندر کوئی خیر باقی ہے تو مجھے دنیا سے اٹھالے" ہم پیچھے عرض کر چکے ہیں کہ حجر بن عدیؓ کے عابد و زاہد ہونے کی بڑی شہرت تھی' اور قدرتی بات یہ ہے کہ جو شخص بھی پورے حالات سے ناواقف رہ کر صرف یہ سنے گا کہ انہیں قتل کر دیا گیا تو وہ لامحالہ اس پر رنج و افسوس کا اظہار کرے گا۔ لیکن یہ رنج و افسوس اس شخص کے خلاف کیسے حجت بن سکتا ہے جس کے سامنے چالیس قابل اعتماد گواہیاں گذر چکی ہوں' اور وہ سب اس بات پر متفق ہوں کہ حجر بن عدیؓ نے بغاوت کا ارتکاب کیا ہے' جہاں تک عبادت و زہد کا تعلق ہے تو وہ اس بات کی وجہ جواز نہیں ہے کہ اسلامی حکومت کے خلاف بغاوت کا ارتکاب کیا جائے' نظیر کے طور پر (بلا تشبیہ و مثال) خارجیوں کو پیش کیا جا سکتا ہے کہ وہ کچھ کم عابد و زاہد نہ تھے' لیکن کیا امت کا کوئی فرد یہ کہہ سکتا ہے کہ چونکہ خارجی بہت زیادہ عابد تھے اس لئے انہیں قتل کرنا حضرت علیؓ کا ناجائز فعل تھا؟

رہ گیا حضرت عائشہؓ کا ارشاد' سو اس کے الفاظ مؤرخین نے مختلف طریقے سے نقل کئے ہیں۔ تاریخ طبریؒ میں ایک جگہ تو وہی الفاظ مذکور ہیں جن کا ترجمہ مولانا مودودی صاحب نے یہ کیا ہے کہ :

"اے معاویہ تمہیں حجر کو قتل کرتے ہوئے خدا کا ذرا خوف نہ ہوا۔"

لیکن خود طبریؒ ہی نے دوسرے مقامات پر' نیز دوسرے بیشتر مؤرخین نے واقعہ اس طرح ذکر کیا ہے کہ جب حضرت معاویہؓ اسی سال حج کو تشریف لئے گئے' اور حضرت عائشہؓ سے ملاقات ہوئی تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ :

"معاویہ! حجر کے معاملے میں تمہاری بردباری کہاں چلی گئی تھی۔"

ابن جریر طبریؒ ابن اثیر جزری اور ابن خلدونؒ نے تو یہ الفاظ نقل کئے ہیں کہ۔

این کان حلمک عن حجر [1]

اور حافظ ابن کثیر یہ الفاظ نقل فرماتے ہیں :

---

[1] الطبری ص ۱۹۱ ج ۴' ابن اثیر ص ۱۹۴ ج ۳' ابن خلدون ۲۹ ج ۳

این ذهب عنک حلمک یا معاویۃ حین قتلت حجراً[1]

"جب تم نے حجر اور ان کے ساتھیوں کو قتل کیا اس وقت تمہاری بردباری کہاں گئی تھی۔"

امام ابن سعدؒ اور امام ابن عبدالبرؒ یہ الفاظ نقل کرتے ہیں۔

این عزب عنک حلم ابی سفیان فی حجر واصحابہ

"حجر اور ان کے اصحاب کے معاملے میں تم سے ابو سفیانؓ کی بردبادی کہاں چلی گئی تھی۔"

حضرت عائشہؓ نے جو الفاظ استعمال کئے ان میں "بردباری" کا لفظ صاف بتا رہا ہے کہ حضرت عائشہؓ کے نزدیک بھی حضرت معاویہؓ کا یہ فعل "انصاف" یا شریعت کے خلاف نہیں تھا۔ زیادہ سے زیادہ وہ اسے بردباری کے خلاف سمجھتی تھیں' اور اب یہ بھی سن لیجئے کہ خود حضرت عائشہؓ کی ذاتی رائے حجرؓ اور ان کے اصحاب کے بارے میں کیا تھی؟ امام ابن عبدالبرؒ نقل فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے مذکورہ جملے کے ساتھ یہ بھی فرمایا تھا کہ :

الا حبستھم فی السجون و عرضتھم لنطاعون

"تم نے ایسا کیوں نہ کیا کہ انہیں قید خانوں میں بند رکھتے اور انہیں طاعون کا نشانہ بننے دیتے۔"[2]

یہ تھا حضرت عائشہؓ کے نزدیک بردباری کا زیادہ سے زیادہ تقاضا جو حجرؓ اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ روا رکھی جا سکتی تھی۔ اگر حجر بن عدیؓ اور ان کے ساتھی بقول مولانا مودودی صاحب "حق گوئی" ہی کے "مجرم" تھے تو اس "حق گوئی" کی کم سے کم سزا حضرت عائشہؓ کے نزدیک بھی "قید خانہ" ہی تھی۔

بہر کیف! حضرت عائشہؓ کے جواب میں حضرت معاویہؓ نے "بردباری" کا جواب یہ دیا کہ ام المومنین "آپ جیسے حضرات مجھ سے دور ہیں اور میرے پاس کوئی ایسا بردبار آدمی نہیں رہا جو ایسے مشورے دے سکے[3]' اور جہاں تک قانونی بات تھی آپ نے فرمایا کہ :

---

[1] البدایہ والنہایہ ص ۵۳ ج ۸

[2] الاستیعاب تحت الاصابہ ص ۳۵۵ ج ۱ [3] الاستیعاب تحت الاصابہ ص ۳۵۵ ج ۱

انما قتله الذین شهدوا علیه

قتل تو انہوں نے کیا جنہوں نے ان کے خلاف گواہی دی۔[1]

اور فرمایا کہ :

فما اصنع کتب الی فیهم زیاد یشدد امرهم ویذکر انهم سیفتقون علی فتقا لا یرقع

"میں کیا کرتا؟ زیاد نے مجھے ان کے بارے میں لکھا تھا کہ ان کا معاملہ بڑا سنگین ہے' اور اگر انہیں چھوڑ دیا گیا تو یہ لوگ میری حکومت کے خلاف ایسی رخنہ اندازی کریں گے جسے بھرا نہ جا سکے گا۔"[2]

اور آخر میں حضرت معاویہ نے یہاں تک فرمایا کہ :

غدًا لی ولحجر موقف بین یدی الله عزوجل

"کل مجھے اور حجر دونوں کو اللہ عزوجل کے سامنے کھڑا ہونا ہے"[3]

اور

فدعینی وحجرا حتی نلتقی عندربنا

"لہٰذا میرے اور حجر کے معاملے کو اس وقت تک کے لئے چھوڑ دیجئے جب ہم دونوں اپنے پروردگار سے ملیں۔"

رہ گئی یہ بات کہ حجر بن عدیؓ کے قتل کے وقت جو بات پیش کی گئی وہ یہ تھی کہ اگر تم حضرت علیؓ پر لعنت کرو تو ہم تمہیں چھوڑ دیں گے' سو یہ بات علامہ طبریؒ نے ابو مخنف کی روایت سے ذکر کی ہے' اور روایۃً و درایۃً قطعی طور پر جھوٹ ہے' سوچنے کی بات ہے کہ اگر یہ روایت صحیح ہو تو حجر بن عدیؓ کی عبادت و زہد کا تو بہت شہرہ ہے' کیا انہیں شریعت کا یہ معمولی مسئلہ معلوم نہیں تھا کہ حضرت علیؓ پر لعنت کرنا ایک گناہ ہے اور اگر کسی شخص کو گناہ کے ارتکاب پر اس طرح مجبور کیا جائے کہ اس کی جان خطرے میں ہو تو اس وقت اس گناہ کا ارتکاب کر کے جان بچانا واجب ہو جاتا ہے' اور عزیمت کا تقاضا ہی اس وقت یہ ہوتا ہے کہ

---

[1] البدایہ والنہایہ ص ۵۳ ج ۸

[2] الاستیعاب ص ۳۵۶ ج ۱

[3] البدایہ والنہایہ ص ۵۳ ج ۸

اس گناہ کا ارتکاب کر لیا جائے۔ اور پھر اس روایت سے یوں ظاہر ہوتا ہے کہ گویا حجر بن عدی سے سارا جھگڑا اس بات پر تھا کہ وہ حضرت علیؓ پر (معاذ اللہ) لعنت نہیں کرتے۔ حالانکہ ہم پیچھے تفصیل سے ثابت کر چکے ہیں کہ نہ حضرت معاویہؓ نے خود کبھی اس فعل شنیع کا ارتکاب کیا نہ اس معاملے میں ان کے کسی ساتھی نے۔ درحقیقت حجر بن عدیؓ کی گرفتاری کا اصل سبب ان کی بغاوت اور شورش انگیزی تھی' اور کیا حضرت معاویہؓ ایسے بچے تھے کہ ایک باغی ان کے سامنے اپنی جان بچانے کے لئے زبان سے حضرت علیؓ کو برا بھلا کہہ دے تو وہ مطمئن ہو جائیں خواہ اس کی ساری عمر حضرت علیؓ کے نام پر جتھے بنانے اور حکومت کے خلاف لوگوں کو برانگیختہ کرنے میں گزری ہو؟ کیا اب حضرت معاویہؓ کے مخالفین (معاذ اللہ) انہیں عقل' تدبر اور سیاسی بصیرت سے بھی بالکل خالی قرار دیں گے؟ ابو مخنف جیسے شیعہ راویوں نے حضرت علیؓ کی مذمت اور ان پر سبّ و شتم کا ذکر کچھ اس طرح کیا ہے گویا حضرت معاویہؓ کے نزدیک دنیا کا سب سے اہم مسئلہ حضرت علیؓ کی مذمت تھی۔ اور ان کی زندگی کا اہم ترین مشن یہی تھا کہ وہ لوگوں کو حضرت علیؓ کی مذمت پر آمادہ کیا کریں۔ لیکن کیا حضرت معاویہؓ کی مجموعی زندگی' ان کی سوانح' ان کے فہم و تدبر اور حلم و بردباری کے بے شمار واقعات میں اس خسیس ذہنیت کا کوئی ادنیٰ سراغ بھی ملتا ہے؟

یہاں ہم پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ ہم نے طبری کے حوالے سے حجر بن عدیؓ کے قتل کے سلسلے میں جتنی روایات پیچھے ذکر کی ہیں ان میں سے بیشتر روایات ابو مخنف ہی کی ہیں' پھر کیا وجہ ہے کہ اس مقام پر ہم اس کی روایت کو قبول کرنے سے انکار کر رہے ہیں؟ لیکن اس اعتراض کا جواب بالکل واضح ہے اور وہ یہ کہ ابو مخنف شیعہ اور حجر بن عدیؓ کا حامی ہے' لہٰذا اصول کا تقاضا ہے کہ ان روایات کو قبول کیا جائے جو حجر بن عدیؓ کے خلاف جاتی ہیں کیونکہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حجر بن عدیؓ کی بغاوت کے واقعات اس قدر ناقابل انکار تھے کہ ابو مخنف ان کا پرزور حامی ہونے کے باوجود ان کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوا۔ اس کے برعکس ابو مخنف کی جو روایات حضرت معاویہؓ کی ذات کو مجروح کرتی ہوں' انہیں ہرگز قبول نہیں کیا جا سکتا اس لئے کہ حضرت معاویہؓ سے اس کی دشمنی بالکل واضح ہے اور ان کے مقدمے کو کمزور کر کے پیش کرنا اس کی عادت میں داخل ہے۔

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ اگر ایک عیسائی مؤرخ خود اپنے ہم مذہب لوگوں کی کوئی برائی

بیان کرے تو آپ اسے سند کے طور پر پیش کرتے ہیں' لیکن اگر وہی مؤرخ (معاذاللہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرے یا آپؐ کے صحابہ کرامؓ کے خلاف کوئی ایسی بات لکھے جو مسلمانوں کی روایات سے ثابت نہ ہو تو آپ اسے سراسر جھوٹ اور افتراء قرار دیتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ اپنے مطلب کی باتیں چن کر بددیانتی کا ارتکاب کر رہے ہیں بلکہ اسطرح آپ تنقید روایات کے اس اصول پر عمل کرتے ہیں جو سو فیصد معقول' فطری اور دنیا بھر میں مسلّم ہے۔

سب سے آخر میں مولانا مودودی صاحب نے حضرت حسن بصریؒ کی طرف منسوب ایک قول اس طرح ذکر کیا ہے کہ :

"حضرت معاویہؓ کے چار افعال ایسے ہیں کہ اگر کوئی شخص ان میں سے کسی ایک کا بھی ارتکاب کرے تو وہ اس کے حق میں مہلک ہو۔ ایک ان کا اس امت پر تلوار سونت لینا اور مشورے کے بغیر حکومت پر قبضہ کر لینا..... دوسرے ان کا اپنے بیٹے کو جانشین بنانا .... تیسرے ان کا زیاد کو اپنے خاندان میں شامل کرنا..... چوتھے ان کا حجر اور ان کے ساتھیوں کو قتل کر دینا۔"

("خلافت وملوکیت" ص ۱۶۵-۱۶۶)

لیکن مولانا نے حضرت حسن بصریؒ کی طرف منسوب اس مقولے کا آخری جملہ نقل نہیں فرمایا۔ ہمارا خیال ہے کہ اس جملہ سے اس روایت کا سارا بھرم کھل جاتا ہے۔ طبریؒ اور ابن اثیرؒ نے نقل کیا ہے کہ حسن بصریؒ نے آخر میں یہ بھی کہا کہ :

ویلاً له من حجر و اصحاب حجر ویا ویلاله من حجر و اصحاب حجر

"حجر اور ان کے ساتھیوں کی وجہ سے معاویہؓ پر دردناک عذاب ہو ہاں حجر اور ان کے ساتھیوں کی وجہ سے ان پر دردناک عذاب ہو۔"[1]

یہ الفاظ لکھتے وقت ہمارا قلم بھی لرز رہا تھا' مگر ہم نے یہ اس لئے

[1] ابن اثیر ص ۱۹۳ ج ۳ طبع قدیم' طبری ص ۲۰۸ ج ۴

نقل کردیئے کہ ان ہی جملوں سے اس روایت کی حقیقت واضح ہوتی ہے، کیا حضرت حسن بصریؒ سے کسی بھی درجہ میں یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ انہوں نے اس بے دردی اور بے باکی کے ساتھ حضرت معاویہؓ کی شان میں یہ الفاظ استعمال کئے ہوں گے؟ مولانا مودودی صاحب نے حضرت معاویہؓ پر اعتراضات کی خواہ کتنی بھرمار کی ہو لیکن ان پر لعن طعن کرنے کو انہوں نے خود بھی "ظلم" اور "زیادتی" قرار دیا ہے۔ کیا حضرت حسن بصریؒ سے اس ظلم عظیم کی توقع کوئی ایسا شخص کر سکتا ہے جو ان سے واقف ہو؟

حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت بھی ابو مخنف کی ہے (ملاحظہ ہو طبریؒ) اور یہ بلاشبہ حضرت حسن بصریؒ پر اس کا بہتان و افتراء ہے جسے کسی حال درست تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

یہ حضرت حسن بصریؒ تو وہ ہیں کہ مشاجرات صحابہؓ کے بارے میں مشہور اور مستند مفسّر علامہ قرطبیؒ نے ان کا یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ :

"وقد سئل الحسن البصری عن قتالهم فقال :قتال شهده اصحاب محمد صلی اللہ علیه وسلم وغبنا، وعلموا وجهلنا، واجتمعوا فاتبعنا، واختلفوا فوقفنا، قال المحاسبی، فنحن نقول کما قال الحسنؒ "

اور حضرت حسن بصریؒ سے صحابہؓ کی باہمی جنگ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ "یہ ایسی لڑائی تھی جس میں صحابہؓ موجود تھے اور ہم غائب، وہ سب حالات سے واقف تھے، ہم ناواقف ہیں، جس چیز پر ان کا اتفاق ہے، ہم اس میں ان کی اتباع کرتے ہیں، اور جس میں اختلاف ہو گیا اس میں توقف اور سکوت اختیار کرتے ہیں" حضرت محاسبیؒ نے فرمایا کہ ہم بھی وہی بات کہتے ہیں جو حسن بصریؒ نے کہی [1]"

---

[1] القرطبیؒ : الجامع لاحکام القرآن ص ۳۲۲ ج ۱۶

غور فرمایئے کہ جو حسن بصریؒ صحابہؓ کی باہمی لڑائیوں میں کسی ایک کی طرف اجتہادی غلطی منسوب کرنے میں بھی تامل کرتے ہوں' وہ حضرت معاویہؓ کو عذاب جنہم کی بددعا دے کر یہ بات آخر کیسے کہہ سکتے ہیں کہ ان کے چار کام ایسے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک ان کی ہلاکت کے لئے کافی ہے؟ نعوذ باللہ منہ!

حضرت معاویہؓ
کے زمانے میں اظہار رائے کی آزادی

حقیقت یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ پر یہ اعتراض کہ ان کے دور میں اظہار رائے کی آزادی کا خاتمہ ہو گیا تھا ان پر اتنا بڑا ظلم ہے کہ اس سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہئے۔ ہم یہاں چند واقعات مختصراً ذکر کرتے ہیں جن سے اس بات کا اندازہ ہو سکے گا۔

(۱) حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ اپنے کسی کام سے حضرت معاویہؓ کے پاس تشرف لے گئے' وہ خود فرماتے ہیں کہ جب میں ان کے پاس پہنچا تو انہوں نے کہا :

"مسور! آپ ائمہ (امراء) پر جو طعن کیا کرتے ہیں اس کا کیا حال ہے؟"

میں نے کہا : "اس وقت اس بات کو رہنے دیجئے' اور جس کام کے لئے ہم آئے ہیں' اس میں ہمارے ساتھ نیک سلوک کیجئے" مگر حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ :

"نہیں' آپ مجھے اپنے دل کی ساری باتیں بتائیے۔" حضرت مسورؓ فرماتے ہیں کہ اس پر میں جتنے عیب ان پر لگایا کرتا تھا وہ سب بیان کر دیئے' ایک نہیں چھوڑا' حضرت معاویہؓ نے سن کر فرمایا : "گناہوں سے کوئی بری نہیں' کیا آپ اپنے اندر ایسے گناہ محسوس نہیں کرتے جن کے بارے میں آپ کو یہ خوف ہو کہ اگر اللہ نے انہیں معاف نہ فرمایا تو آپ کو ہلاک کر دیں گے؟"

میں نے عرض کیا : "ہاں میرے بھی ایسے گناہ ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ انہیں معاف نہ فرمائے تو میں ان کے سبب سے ہلاک ہو جاؤں۔" حضرت معاویہؓ نے فرمایا : "پھر کیا وجہ ہے کہ آپ اپنے آپ کو مجھ سے زیادہ مغفرت کا مستحق سمجھتے ہیں؟ خدا کی قسم! میں عوام کی

اصلاح، حدود شرعیہ کی اقامت اور جہاد فی سبیل اللہ کی جن خدمات میں مشغول ہوں، وہ ان عیوب سے زیادہ ہیں جو آپ نے بیان کئے۔ اور میں ایک ایسے دین کا پیرو ہوں جس میں خدا حسنات کو قبول فرماتا اور سیئات سے درگزر فرماتا ہے۔"

اس کے بعد حضرت معاویہؓ نے فرمایا :

"واللہ علیٰ ذلک ما کنت لاخیر بین اللہ وغیرہ الا اخترت اللہ علیٰ غیرہ مما سواہ"

"اس کے علاوہ وہ خدا کی قسم! جب بھی مجھے اللہ اور غیر اللہ کے درمیان اختیار ملتا ہے، میں اللہ کے سوا اور کسی کو اختیار کرنے والا نہیں ہوں۔"

حضرت مسور بن مخرمہؓ فرماتے ہیں کہ "ان کے ارشادات پر میں غور کرتا رہا تو مجھے پتہ چلا کہ انہوں نے واقعۃً دلائل میں مجھے مغلوب کر دیا۔" راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت مسور رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب بھی حضرت معاویہؓ کا ذکر کرتے تو ان کے حق میں دعائے خیر فرماتے۔[1]

(۲) حافظ ابن کثیرؒ نقل فرماتے ہیں کہ "ایک شخص نے حضرت معاویہؓ کو ان کے منہ پر بہت برا بھلا کہا اور ان کے ساتھ بڑی سختی سے پیش آیا۔ کسی نے کہا کہ "آپ اس پر حملہ کیوں نہیں کرتے؟" حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ :

"انی لاستحیی من اللہ ان یضیق حلمی عن ذنب احد من رعیتی"[2]

"مجھے اللہ سے اس بات پر شرم آتی ہے کہ میری بردباری میری رعایا کے کسی گناہ سے تنگ ہو جائے۔"

(۳) ابن خلدونؒ نقل فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت معاویہؓ نے حضرت عدی بن حاتمؓ کو چھیڑا، اور مذاق میں انہیں حضرت علیؓ کا ساتھ دینے پر توبیخ کی، اس کے جواب میں حضرت عدیؓ نے فرمایا : "خدا کی قسم! جن دلوں سے ہم نے تمہیں بُرا سمجھا تھا وہ ابھی

---

[1] یہ واقعہ حافظ ابن کثیرؒ نے مصنف ابن عبدالرزاقؒ کے حوالے سے دو سندوں کے ساتھ ذکر فرمایا ہے (البدایہ والنہایہ ص ۱۳۴ ج ۸)

[2] البدایہ ص ۱۳۵ ج ۸

ہمارے سینوں میں ہیں، اور جن تلواروں سے تمہارا مقابلہ کیا تھا، وہ ابھی ہمارے کاندھوں پر لٹکی ہوئی ہیں اور اب اگر تم غدر کی طرف ایک بالشت بڑھے تو ہم جنگ کی طرف دو ہاتھ بڑھ جائیں گے، اور یاد رکھنا کہ ہمیں اپنی شہ رگ کٹنے کی آواز اور سینے سے نکلنے والی موت کی سسکیاں زیادہ محبوب ہیں، بہ نسبت اس کے کہ ہم علیؓ کے بارے میں کوئی بری بات سنیں۔"

حضرت معاویہؓ نے یہ سن کر لوگوں سے فرمایا : "یہ ساری باتیں حق ہیں، انہیں لکھ لو۔" اس کے بعد وہ دیر تک حضرت عدیؓ سے باتیں کرتے رہے۔[۱]

(۴) عبداللہ بن عمیر فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت معاویہؓ کو بہت دیر تک سخت سُست کہا، حضرت معاویہؓ خاموش رہے تو لوگوں نے کہا : "کیا آپ اس پر بھی بردباری کا مظاہرہ فرمائیں گے؟" حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ "میں لوگوں اور ان کی زبانوں کے درمیان حائل نہیں ہونا چاہتا، الا یہ کہ وہ ہماری حکومت کے درمیان حائل ہونے لگیں[۲]" یعنی بغاوت پر آمادہ ہو جائیں۔

(۵) ایک مرتبہ حضرت معاویہؓ نے اپنے گورنر زیاد کو ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ :

> "لوگوں کے ساتھ ہمیشہ ایک جیسا طرزِ عمل اختیار کرنا ٹھیک نہیں، نہ اتنی نرمی کرنی چاہئے کہ وہ اترا جائیں اور نہ اتنی سختی کہ وہ لوگوں کو ہلاکت میں ڈال دے، بلکہ ایسا کرو کہ سختی کے لئے تم کافی ہو جاؤ اور رحمت والفت کے لئے میں، تاکہ اگر کوئی شخص خوف کی حالت میں ہو تو اسے داخل ہونے کے لئے ایک دروازہ مل جائے۔"[۳]

(۶) علامہ ابن اثیرؒ نقل فرماتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن الحکم ایک شاعر تھے، شاعروں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ امراء کی مدح میں قصیدے کہا کرتے ہیں، حضرت معاویہؓ نے ان سے فرمایا :

> "مدح سے بچو اس لئے کہ وہ بے حیاؤں کی غذا ہے"[۴]

---

[۱] ابن خلدونؒ ص ۷، ج ۳
[۲] ابن اثیر ص ۵ ج ۴
[۳] البدایہ والنہایہ ص ۱۳۶ ج ۸
[۴] ابن اثیر ص ۵ ج ۴

(۷) طبرانیؒ اور حافظ ابن عساکرؒ نقل فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت معاویہؓ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے خطبے میں "فرار من الطاعون" کی حدیث ذکر فرمائی' اس میں کوئی فروگذاشت ہو گئی تو حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبہ کے بیچ ہی میں کھڑے ہو کر فرمایا :

"تمہاری ماں ہندہ تم سے زیادہ عالم تھی۔"

حضرت معاویہؓ نے نماز کے بعد حضرت عبادہؓ کو بلا کر اس طرز کلام پر تو زبانی تنبیہہ فرمائی مگر جب ان سے تحقیق ہو گئی کہ حدیث اسی طرح ہے جس طرح حضرت عبادہؓ بیان فرما رہے تھے تو عصر کی نماز کے بعد منبر سے خود اعلان فرمایا کہ :

"میں نے تم سے منبر پر ایک حدیث ذکر کی تھی' گھر جا کر پتہ چلا کہ حدیث اسی طرح ہے جس طرح عبادہؓ کہتے ہیں' لہٰذا انہی سے استفادہ کرو' کیونکہ وہ مجھ سے زیادہ فقیہ ہیں۔"[1]

حضرت معاویہؓ اور ان کے عہد حکومت کی ایک تصویر یہ ہے جو ان جیسے[2] بے شمار واقعات سے سامنے آتی ہے مگر مولانا مودودی صاحب ان کے عہد حکومت کی منظر کشی اس طرح فرماتے ہیں کہ :

"ضمیروں پر قفل چڑھا دیئے گئے' زبانیں بند کر دی گئیں' اب قاعدہ یہ ہو گیا کہ منہ کھولو تو تعریف کے لئے کھولو' ورنہ چپ رہو' اور اگر تمہارا ضمیر ایسا ہی زور دار ہے کہ تم حق گوئی سے باز نہیں رہ سکتے تو قید اور قتل اور کوڑوں کی مار کے لئے تیار ہو جاؤ' چنانچہ جو لوگ بھی اس دور میں حق بولنے اور غلط کاریوں پر ٹوکنے سے باز نہ آئے ان کو بدترین

---

[1] ابن عساکر ص ۲۱۰ و ۲۱۱ ج ۷ "عبادۃ بن الصامت"

[2] مذکورہ سات واقعات ہم نے بغیر کسی خاص جستجو کے سرسری طور سے لکھ دیئے ہیں' ورنہ اس قسم کے واقعات جو یہ مضمون لکھتے وقت ہماری نظر سے گزرے ہیں' اتنے زیادہ ہیں کہ بلامبالغہ ان سے ایک کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ اسی لئے ابن خلدونؒ فرماتے ہیں کہ :

"واخبارہ فی الحلم کثیرۃ"

(ان کی بردباری کے واقعات بہت ہیں)

سزائیں دی گئیں تاکہ پوری قوم دہشت زدہ ہو جائے۔" (ص ۱۶۳ و ۱۶۴)

اور اس عمومی منظر کشی کی دلیل کیا ہے؟ صرف ایک حجر بن عدیؒ کا واقعہ جس کی حقیقت پوری تفصیل کے ساتھ آپ کے سامنے آچکی ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت معاویہؓ کی قبر کو نور سے بھر دے ان کے درجات کی بلندی کے لئے اللہ تعالیٰ کیسے کیسے سامان مہیا فرما رہے ہیں؟

یزید کی ولی عہدی کا مسئلہ

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ایک مشہور اعتراض یہ ہے کہ انہوں نے یزید کو اپنا ولی عہد نامزد کیا' چنانچہ جناب مولانا مودودی صاحب نے بھی یہ اعتراض کیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے یہ کام خالص اپنے مفاد کے لئے کیا تھا' وہ لکھتے ہیں :

> "یزید کی ولی عہدی کے لئے ابتدائی تحریک کسی صحیح جذبے کی بنیاد پر نہیں ہوئی تھی' بلکہ ایک بزرگ (حضرت مغیرہ بن شعبہؓ) نے اپنے ذاتی مفاد کیلئے دوسرے بزرگ (حضرت معاویہؓ) کے ذاتی مفاد سے اپیل کر کے اس تجویز کو جنم دیا اور دونوں صاحبوں نے اس بات سے قطع نظر کرلیا کہ وہ اس طرح امت محمدیہ کو کس راہ پر ڈال رہے ہیں۔"
>
> (خلافت وملوکیت ص ۱۵۰)

اس کے بعد انہوں نے ابن اثیرؒ وغیرہ کی مختلف روایات سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت معاویہؓ نے یزید کے لئے بیعت لینے میں جبرو اکراہ' خوف و طمع اور رشوت کے ذرائع سے کھلم کھلا کام لیا۔

اس موضوع پر اپنی گفتگو شروع کرنے سے قبل ہم ابتداء ہی میں یہ بات صاف کر دینا چاہتے ہیں کہ یہاں دو مسئلے الگ الگ ہیں :

(۱) حضرت معاویہؓ کا یزید کو ولی عہد بنانا رائے' تدبیر اور نتائج کے اعتبار سے صحیح تھا یا غلط؟

(۲) دوسرے یہ کہ حضرت معاویہؓ نے یہ کام نیک نیتی کے ساتھ جواز شرعی کی حدود میں

رہ کر کیا تھا یا خالص اپنے ذاتی مفاد کے لئے حدود اللہ کو پامال کر کے؟

جہاں تک پہلے مسئلے کا تعلق ہے اس میں ہمیں مولانا مودودی صاحب سے اختلاف نہیں ہے۔ جمہور امت کے محقق علماء ہمیشہ یہ کہتے آئے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فعل رائے اور تدبیر کے درجے میں نفس الامری طور پر درست ثابت نہیں ہوا۔ اور اس کی وجہ سے امت کے اجتماعی مصالح کو نقصان پہنچا۔ لہٰذا اگر مولانا مودودی صاحب اپنی بحث کو اس حد تک محدود رکھتے تو ہمیں اس پر گفتگو کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

البتہ مولانا سے ہمارا اختلاف دوسرے مسئلے میں ہے' مولانا نے حضرت معاویہؓ کے اس اقدام کو محض رائے اور تدبیر کے اعتبار سے غلط قرار دینے پر اکتفا نہیں کیا' بلکہ براہ راست حضرت معاویہؓ کی نیت پر تہمت لگا کر اس بات پر اصرار فرمایا ہے کہ ان کے پیش نظر بس اپنا ذاتی مفاد تھا۔ اور اس ذاتی مفاد پر انہوں نے پوری امت کو قربان کر دیا۔

جمہور امت کا موقف اس معاملے میں یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ کے اس فعل کو بلحاظ تدبیر و رائے تو غلط کہا جا سکتا ہے لیکن ان کی نیت پر حملہ کرنے اور ان پر مفاد پرستی کا الزام عائد کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے لہٰذا ہماری آئندہ گفتگو کا حاصل یہ نہیں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ اقدام واقعے کے اعتبار سے سو فیصد درست اور نفس الامر میں بالکل صحیح تھا یا انہوں نے جو کچھ کیا وہ بالکل ٹھیک کیا' بلکہ ہماری گفتگو کا موضوع یہ ہے کہ وہ اپنے اس اقدام میں نیک نیت تھے' انہوں نے جو کچھ کیا وہ نیک نیتی کے ساتھ اور شرعی جواز کی حدود میں رہ کر کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ یزید کی ولی عہدی اور خلافت کا مسئلہ ہمارے زمانے میں بڑی نازک صورت اختیار کر گیا ہے۔ اس مسئلے پر بحث و مباحثہ کی گرم بازاری نے مسلمانوں میں دو ایسے گروہ پیدا کر دیئے ہیں جو افراط و تفریط کی بالکل آخری حدود پر کھڑے ہیں۔ ایک گروہ وہ ہے جو یزید کو کھلا فاسق و فاجر قرار دے کر حضرت معاویہؓ اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ پر مفاد پرستی' خود غرضی' رشوت ستانی اور ظلم و عدوان کے الزامات عائد کر رہا ہے' دوسری طرف ایک گروہ ہے جو یزید کو فرشتہ قرار دیکر حضرت حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جیسے جلیل القدر صحابہ کو ہوس اقتدار' جاہ طلبی اور انتشار پسندی کا مجرم بنا رہا ہے اور جمہور امت نے اعتدال کا جو راستہ اختیار کیا تھا' وہ مناظرے کے جوش و خروش میں دونوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو چکا

ہے۔

اس افراط و تفریط کی ساری وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کے باہمی اختلافات کو موجودہ زمانے کی سیاسی پارٹیوں کے اختلافات پر قیاس کرلیا گیا ہے اور چونکہ آج کی مفاد پرست دنیا میں یہ تصور مشکل ہی سے آتا ہے کہ دو مخالف سیاسی جماعتیں بیک وقت نیک نیتی کے ساتھ کسی صحیح، جائز اور نیک مقصد کے لئے ایک دوسرے سے لڑ سکتی ہیں، اس لئے صحابہ کرامؓ کی جماعتوں کے بارے میں بھی یہ تصور کرنا مذکورہ گروہوں کو مشکل نظر آتا ہے، نتیجہ یہ ہے کہ وہ سرسری طور پر کسی ایک جماعت کے برحق اور نیک نیت ہونے کا فیصلہ کرتے ہیں، اور یہ فیصلہ ذہن میں جما کر اس کی تائید و حمایت کے لئے دلائل تلاش کرتے ہیں اور اس سلسلے میں دوسرے فریق کے صحیح موقف کو سمجھنے کی کوشش کئے بغیر اس پر الزامات و اعتراضات کی بوچھاڑ شروع کردیتے ہیں۔

ہم دونوں فریقوں کو سرکار دو عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی طرف توجہ دلاتے ہیں جو جمعہ کے دن ہر خطبے میں دہرایا جاتا ہے کہ :

الله الله فی اصحابی، لا تتخذوھم غرضا من بعدی

میرے صحابہ کے معاملے میں خدا سے ڈرو، خدا سے ڈرو، میرے بعد انہیں (اعتراضات) کا نشانہ مت بنانا۔

ہم سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کا واسطہ دیکر یہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ صحابہ کرامؓ کی عظمت شان کو پیش نظر رکھ کر ان کے صحیح موقف کو ٹھنڈے دل کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کریں، اور دل سے بدگمانیوں کا غبار دھو کر اس مسئلے پر غور فرمائیں۔

اس دردمندانہ گزارش کے بعد ہم اس مسئلے میں اپنے مطالعے کا حاصل پیش کرتے ہیں، یہاں تین چیزیں قابل غور ہیں : ۔

(۱) ولی عہد بنانے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

(۲) یزید خلافت کا اہل تھا یا نہیں؟

(۳) ان روایات کی کیا اصلیت ہے جن میں یزید کی بیعت کے لئے خوف و طمع کے ذرائع سے کام لینے کا ذکر کیا گیا ہے؟ ہم مسئلے کے ان تینوں گوشوں پر مختصر گفتگو کرتے ہیں :

ولی عہد بنانے کی شرعی حیثیت

یہاں دو مسئلے قابل تحقیق ہیں' ایک یہ کہ کوئی خلیفہ وقت اپنے بعد کے لئے کسی کو' خاص طور سے اپنے کسی رشتہ دار کو اپنا ولی عہد بنا دے تو اس کی یہ وصیت امت پر لازم ہو جاتی ہے یا اس کی وفات کے بعد اہل حل و عقد کی منظوری کی پابند رہتی ہے؟

جہاں تک پہلے مسئلے کا تعلق ہے' اس بات پر امت کا اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ خلیفہ وقت اگر کسی شخص میں نیک نیتی کے ساتھ شرائط خلافت پاتا ہے تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اس کو ولی عہد بنا دے' خواہ وہ اس کا باپ بیٹا یا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو' البتہ بعض علماء نے یہ شرط لگائی ہے کہ اگر وہ اس کا باپ یا بیٹا ہو تو اہل حل و عقد کے مشورے کے بغیر ولی عہد بنانا بھی جائز نہیں ہے۔[۱]

رہا دوسرا مسئلہ تو اس میں علامہ ماوردیؒ' شاہ ولی اللہؒ اور ابن خلدونؒ کے بیانات سے تو بڑے توسعات معلوم ہوتے ہیں' ان کا رجحان اس طرف ہے کہ اگر کوئی خلیفہ کسی ایسے شخص کو ولی عہد بنا دے جس میں خلافت کی اہلیت ہو تو اس کی وصیت ساری امت پر لازم ہو جاتی ہے اور اس کا نفاذ اہل حل و عقد کی مرضی پر موقوف نہیں ہوتا' لیکن علماء محققین کی رائے یہی ہے کہ ولی عہد بنانے کی حیثیت ایک تجویز کی سی ہوتی ہے' اور جب تک امت کے ارباب حل و عقد اسے منظور نہ کرلیں' یہ تجویز امت پر واجب العمل نہیں ہوتی' خواہ کتنی نیک نیتی کے ساتھ کی گئی ہو بلکہ امت کے ارباب حل و عقد کو حق ہوتا ہے کہ وہ چاہیں تو باہمی مشورے سے اس تجویز کو قبول کریں اور چاہیں تو رد کردیں۔ اسلامی سیاست کے مشہور عالم اور مصنف قاضی ابو یعلی الفراء الحنبلیؒ (متوفی ۴۵۸ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ :

"خلیفہ کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے بعد کے لئے کسی شخص کو ولی عہد بنائے اور اس معاملہ میں اہل حل و عقد کی موجودگی کوئی ضروری نہیں ہے اس

---

[۱] تفصیل کے لئے دیکھئے۔ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء ص ۵ جلد اول مطبع صدیقی بریلی ۱۲۸۶ھ والاحکام السلطانیہ للماوردی ص ۸' المطبعۃ المحمودیۃ مصر' الاحکام السلطانیہ لابی یعلی الفراء ص ۹ مصطفیٰ البابی مصر ۱۳۵۶ھ' مقدمہ ابن خلدون ص ۳۷۶ و ۳۷۷ دار الکتاب اللبنانی بیروت ۱۹۵۶ء

لئے کہ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ کو ولی عہد بنایا' اور حضرت عمرؓ نے چھ صحابہ کرام کو یہ فریضہ سپرد کیا' اور سپرد کرتے وقت کسی نے بھی اہل حل و عقد کی موجودگی کو ضروری نہیں سمجھا۔ اس کی عقلی وجہ یہ ہے کہ کسی کو ولی عہد بنانا اس کو خلیفہ بنانا نہیں ہے۔ ورنہ ایک ہی زمانے میں دو خلفاء کا اجتماع لازم آجائے گا جو جائز نہیں ہے' اور جب یہ خلافت کا عقد نہیں ہے تو اہل حل و عقد کی موجودگی بھی ضروری نہیں' ہاں ولی عہد بنانے والے کی وفات کے بعد ان کی موجودگی ضروری ہے۔"

چند سطروں کے بعد وہ لکھتے ہیں :

"خلیفہ کے لئے جائز ہے کہ وہ کسی ایسے شخص کو ولی عہد بنائے جو اس کے ساتھ باپ یا بیٹے کا رشتہ رکھتا ہو' بشرطیکہ وہ خلافت کی شرائط کا حامل ہو' اس لئے کہ خلافت محض ولی عہد بنانے سے منعقد نہیں ہو جاتی بلکہ مسلمانوں کے قبول کرنے سے منعقد ہوتی ہے۔ اور اس وقت ہر تہمت دور ہو جاتی ہے۔"[1]

محقق علماء کے نزدیک صحیح بات یہی ہے کہ اگر خلیفہ وقت تنہا اپنی مرضی سے کسی کو ولی عہد بنا دے تو اس کے لئے تو یہ جائز ہے' لیکن اس کا یہ فیصلہ ایک تجویز کی حیثیت رکھتا ہے جسے امت کے اہل حل و عقد اس کی وفات کے بعد قبول بھی کر سکتے ہیں اور رد بھی۔ دلائل کی تفصیل کا تو یہاں موقع نہیں ہے مختصر یہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ کو ولی عہد تو بلاشبہ بنایا تھا' لیکن بنانے سے پہلے بھی اور بعد میں بھی اہل شوریٰ سے استصواب فرمایا اور جب دیکھا کہ تمام لوگ ان پر متفق ہیں' تب اپنے فیصلے کا اعلان فرمایا۔[2] نیز ان کی وفات کے بعد بھی امت ان پر متفق ہو گئی۔

---

[1] ابو یعلیٰ الفراء: الاحکام السلطانیہ ص ۹' مصطفیٰ البابی الحلبی مصر ۱۳۵۶ھ' عبارت یہ ہے'

ویجوز ان یعهد الی من ینتسب الیه بابوة اوبنوة اذا کان المعهود له علی صفات الائمة' لان الامامة لا تنعقد للمعهود الیه بنفس العهد وانما تنعقد بعهد المسلمین' والتهمة تنتفی عنه

[2] ملاحظہ ہو الطبری ص : ۶۱۸ ج ۲ والامامۃ والسیاسۃ لابن قتیبہ ص ۱۹ و ۲۰ مصطفیٰ البابی مصر ۱۳۵۶ھ

اس تفصیل سے دو باتیں بہر حال واضح ہو جاتی ہیں۔

(۱) اگر کوئی خلیفہ وقت نیک نیتی کے ساتھ اپنے بیٹے کو خلافت کا اہل سمجھتا ہے تو وہ اسے اپنا ولی عہد مقرر کر سکتا ہے' یہ بات علماء کے ان دونوں گروہوں کے نزدیک متفق علیہ ہے جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔

(۲) علماء محققین کے نزدیک بیٹے کو ولی عہد بنانے کے لئے ارباب حل وعقد سے مشورہ کرنا اور ان کا منظور کرنا ضروری ہے اس کے بغیر اس کی خلافت منعقد نہیں ہوتی' اور یہی قول صحیح و مختار ہے' البتہ ایک جماعت اس بات کی بھی قائل رہی ہے کہ خلیفہ وقت تنہا اپنی مرضی سے اپنے بیٹے کو ولی عہد بنا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں اہل حل وعقد کی منظوری کی بھی ضرورت نہیں ہے' اور اس کی وصیت تمام امت پر لازم ہو جاتی ہے۔

اب یزید کی ولی عہدی کے مسئلے پر غور فرمایئے' مندرجہ بالا احکام کی روشنی میں یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اگر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیانت داری سے اپنے بیٹے یزید کو خلافت کا اہل سمجھتے تھے تو اسے ولی عہد بنا دینا شرعی اعتبار سے بالکل جائز تھا۔ اگر وہ یہ کام پوری امت کے مشورے سے کرتے تب تو باتفاق ان کا یہ فیصلہ ہر فرد کے لئے واجب الاتباع ہوتا' اور اگر تنہا اپنی رائے سے کرتے تو ان کے فعل کی حد تک تو یہ فیصلہ باتفاق جائز تھا اور علماء کے ایک گروہ کے نزدیک امت کے لئے واجب العمل بھی تھا' لیکن علماء کے راجح قول کے مطابق اس سے اہل و حل عقد کی منظوری کے بغیر یزید کی خلافت منعقد نہیں ہو سکتی تھی۔

اب مسئلہ یہ رہ جاتا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے یزید کو خلافت کا اہل سمجھ کر ولی عہد بنایا تھا یا محض اپنا بیٹا ہونے کی وجہ سے؟

کیا حضرت معاویہؓ یزید کو خلافت کا اہل سمجھتے تھے؟

واقعہ یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پوری دیانت داری اور نیک نیتی کے ساتھ یہ سمجھتے تھے کہ یزید خلافت کا اہل ہے۔ متعدد تواریخ میں منقول ہے کہ حضرت عثمانؓ کے صاحبزادے حضرت سعید بن عثمانؓ نے آکر حضرت معاویہؓ سے شکایت کی کہ "آپ نے

یزید کو ولی عہد بنا دیا ہے' حالانکہ میرا باپ اس کے باپ سے میری ماں اسکی ماں سے اور خود میں اس سے افضل ہوں۔" حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ "خدا کی قسم! تمہارے والد مجھ سے بہتر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قریب تھے۔ تمہاری ماں بھی یزید کی ماں سے افضل ہے' لیکن جہاں تک یزید کا تعلق ہے' اگر سارا غوطہ تم جیسے آدمیوں سے بھر جائے تو بھی یزید تم سے بہتر اور زیادہ محبوب ہو گا۔" حضرت معاویہؓ کے یہ الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ وہ کسی ذاتی برتری کے تصور یا رشتے کی بناء پر یزید کو افضل نہیں سمجھ رہے تھے بلکہ ان کی دیانت دارانہ رائے یہی تھی۔ اس کے علاوہ متعدد تواریخ میں منقول ہے کہ انہوں نے ایک خطبہ میں یہ دعا فرمائی کہ :

> اللھم ان کنت تعلم انی ولیتہ لانہ فیما اراہ اھل لذلک فاتمم لہ ماولیتہ وان کنت ولیتہ لانی احبہ فلا تتمم لہ ماولیتہ[1]
>
> "اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ میں نے اسے (یزید کو) اس لئے ولی عہد بنا لیا ہے کہ وہ میری رائے میں اس کا اہل ہے تو اس ولایت کو اس کے لئے پورا فرما دے اور اگر میں نے اس لئے اس کو ولی عہد بنایا ہے کہ مجھے اس سے محبت ہے تو اس ولایت کو پورا نہ فرما۔"

اور حافظ شمس الدین ذہبیؒ اور علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے عطیہ بن قیس کے حوالہ سے اس دعا کے یہ الفاظ نقل فرمائے ہیں :

> اللھم ان کنت عھدت لیزید لما رایت من فضلہ فبلغہ ما املت واعنہ و ان کنت انما حملنی حب الوالد لولدہ و انہ لیس لما صنعت بہ اھلا فاقبضہ قبل ان یبلغ ذلک[2]
>
> "اے اللہ! اگر میں نے یزید کو اس کی فضیلت دیکھ کر ولی عہد بنایا ہے تو اسے اس مقام تک پہنچا دے جس کی میں نے اس کے لئے امید کی ہے'

---

[1] البدایۃ والنہایۃ ص ۸۰ ج ۸

[2] الذہبیؒ: تاریخ الاسلام و طبقات المشاہیر و الاعلام ص ۲۶۷ ج ۲: مکتبۃ القدسی قاہرہ ۱۳۶۸ھ و السیوطیؒ تاریخ الخلفاء ۱۵۷ اصح المطابع' کراچی ۱۳۷۸ھ

اور اس کی مدد فرما' اور اگر مجھے اس کام پر صرف اس محبت نے آمادہ کیا ہے
جو باپ کو بیٹے سے ہوتی ہے تو اس کے مقام خلافت تک پہنچنے سے پہلے
اس کی روح قبض کر لے"

غور کرنے کی بات ہے کہ جس باپ کے دل میں چور ہو' کیا وہ جمعہ کے دن مسجد کے منبر پر کھڑے ہو کر قبولیت کی گھڑی میں اپنے بیٹے کے لئے ایسی دعا کر سکتا ہے؟ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس پر خلوص دعا کے بعد بھی اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ انہوں نے یزید کو نااہل سمجھنے کے باوجود محض بیٹا ہونے کی وجہ سے خلافت کے لئے نامزد کیا تھا تو یہ اتنا بڑا تحکم ہے جس کے لئے بڑے دل گردے کی ضرورت ہے۔ کسی شخص کی نیت پر حملہ کرنا زندگی میں بھی شریعت نے جائز قرار نہیں دیا، چہ جائیکہ اس کی وفات کے ساڑھے تیرہ سو برس بعد اس ظلم کا ارتکاب کیا جائے۔

یزید کی جو مکروہ تصویر عموماً ذہنوں میں بسی ہوئی ہے' اس کی بنیادی وجہ کربلا کا المناک حادثہ ہے' ایک مسلمان کے لئے واقعۃً یہ تصور کرنا مشکل ہے کہ جس شخص پر کسی نہ کسی درجہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب نواسے کے قتل کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے' اسے صالح اور خلافت کا اہل قرار دیا جائے۔ لیکن اگر حقیقت حال کی واقعی تحقیق مقصود ہو تو اس معاملے میں یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ جس وقت یزید کو ولی عہد بنایا جا رہا تھا' اس وقت حادثہ کربلا واقع نہیں ہوا تھا اور کوئی شخص یہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ یزید کی حکومت میں حضرت حسینؓ کے ساتھ ایسا ظالمانہ سلوک کیا جائے گا۔ اس وقت یزید کی شہرت جھوٹوں کو بھی اس حیثیت سے نہیں تھی جس حیثیت سے آج ہے۔ اس وقت تو وہ ایک صحابی اور ایک خلیفۂ وقت کا صاحبزادہ تھا۔ اس کے ظاہری حالات' صوم و صلوٰۃ کی پابندی' اس کی دنیوی نجابت' اور اس کی انتظامی صلاحیت کی بناء پر یہ رائے قائم کرنے کی پوری گنجائش تھی کہ وہ خلافت کا اہل ہے' اور صرف یہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے نہیں تھی' بلکہ بہت سے دوسرے جلیل القدر صحابہؓ اور تابعین بھی یہ رائے رکھتے تھے۔ دوسری صدی ہجری کے مشہور مورخ علامہ بلاذریؒ مورخ بدائنی کے حوالے سے امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ واقعہ نقل کرتے ہیں :

"قال عامر بن مسعود الجمحی انا بمکۃ اذمر بنا برید ینعی

معاویۃ فنهضنا الی ابن عباسؓ وهو بمکۃ وعنده جماعۃ وقد وضعت المائدۃ ولم یوت بالطعام فقلنا له یا ابن عباس جاء البرید بموت معاویۃ فوجم طویلاً ثم قال اللهم اوسع لمعاویۃ اما واللہ ما کان مثل من قبله ولا یاتی بعده مثله وان ابنه یزید لمن صالحی اهله فالزموا مجالسکم واعطوا طاعتکم و بیعتکم"[1]

عامر بن مسعود جمحی کہتے ہیں کہ جب ایک قاصد حضرت معاویہؓ کی وفات کی خبر لے کر آیا تو ہم مکہ مکرمہ میں تھے۔ ہم اٹھ کر حضرت ابن عباسؓ کے پاس چلے گئے وہ بھی مکہ ہی میں تھے' ان کے پاس کچھ لوگ بیٹھے تھے اور دسترخوان بچھ چکا تھا مگر ابھی کھانا نہیں آیا تھا' ہم نے ان سے کہا کہ اے ابن عباسؓ! قاصد حضرت معاویہؓ کی موت کی خبر لے کر آیا ہے' اس پر وہ کافی دیر خاموش بیٹھے رہے پھر انہوں نے کہا کہ "یا اللہ! حضرت معاویہؓ کے لئے اپنی رحمت کو وسیع فرما دے' خدا کی قسم! وہ اپنوں سے پہلوں کی طرح نہیں تھے' اور ان کے بعد ان جیسا نہیں آئے گا' اور بلاشبہ ان کا بیٹا یزید ان کے صالح اہل خانہ میں سے ہے' لہٰذا تم اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہو' اور اپنی طاعت اور بیعت اسے دے دو۔"

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت محمد بن حنفیہؒ کے بارے میں حافظ ابن کثیرؒ نے نقل کیا ہے کہ فتنہ حرہ کے موقعہ پر عبداللہ بن مطیع اور ان کے ساتھی حضرت محمد بن حنفیہؒ کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ "یزید شراب پیتا ہے اور نماز چھوڑتا ہے' اور کتاب اللہ کے احکام سے تجاوز کرتا ہے۔" اس کے جواب میں حضرت محمد بن حنفیہؒ نے فرمایا :

قد حضرته واقمت عنده فرایته مواظباً علی الصلاۃ متحریا للخیر یسال عن الفقه ملازماً للسنۃ

"میں اس کے پاس گیا ہوں' اور ٹھہرا ہوں' میں نے اس کو نماز کا پابند اور خیر کا طالب پایا' وہ فقہ کے مسائل پوچھتا ہے' اور سنت کا پابند ہے۔"

انہوں نے کہا کہ یزید نے آپ کے سامنے تصنعاً ایسا کیا ہو گا' حضرت محمد بن حنفیہؒ نے

---

[1] البلاذریؒ: انساب الاشراف ص ۳ و ۴ قسم ۲' یروشلم ۱۹۴۰ء

فرمایا کہ "اسے مجھ سے کون سا خوف یا کون سی امید تھی؟ اور کیا اس نے تمہیں خود بتایا ہے تو تم بھی اس کے شریک ہو گے' اور اگر اس نے تمہیں نہیں بتایا تو تمہارے لئے حلال نہیں ہے کہ بغیر علم کے شہادت دو۔" انہوں نے کہا کہ "اگرچہ ہم نے دیکھا نہیں لیکن ہم اس خبر کو سچ سمجھتے ہیں" حضرت محمد بن حنفیہؒ نے فرمایا "اللہ نے شہادت دینے والوں کے لئے ایسی بات کہنے کو جائز قرار نہیں دیا' قرآن کا ارشاد ہے۔ الامن شهد بالحق وهم يعلمون۔ لہٰذا مجھے تمہارے معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے" انہوں نے کہا "شاید آپ یہ بات پسند نہیں کرتے کہ اس معاملے (یزید کے خلاف بغاوت) کی سرداری آپ کے سوا کسی اور کو ملے' لہٰذا ہم آپ ہی کو اپنا سردار بنا لیتے ہیں" حضرت محمدؒ نے فرمایا کہ "میں قتال کو نہ تابع ہو کر حلال سمجھتا ہوں نہ قائد بن کر"[1]

ان روایات سے یہ بات واضح ہے کہ یزید کے ظاہری حالات ایسے تھے کہ ان کی موجودگی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ جیسے صحابی اس کے صالح اور اہل خلافت ہونے کی رائے رکھ سکتے تھے۔ دوسری طرف اگر اس ماحول کو پیش نظر رکھا جائے' جس میں یہ خلافت منعقد ہو رہی تھی تو بلاشبہ یہ رائے قائم کرنے کی بھی پوری گنجائش تھی کہ وہ موجودہ حالات میں خلافت کا اہل نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ جس ماحول میں حضرت حسینؓ' حضرت عبداللہ بن عباسؓ' حضرت عبداللہ بن عمرؓ' حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت عبدالرحمان بن ابی بکرؓ وغیرہ جیسے جلیل القدر صحابہؓ صلحائے امت اور مدبّرین موجود ہوں' اس ماحول میں یزید کو خلافت کے لئے نااہل یا غیر موزوں سمجھنا کچھ بعید نہیں ہے' زمانہ صحابہ کرامؓ اور کبار تابعین کا تھا' امت میں خیر و صلاح کا دور دورہ تھا' ایسے حالات میں خلافت کیلئے عدالت و تقویٰ کے جس معیارِ بلند کی ضرورت تھی' ظاہر ہے کہ یزید اس پر پورا نہیں اترتا تھا' اسی لئے بعض صحابہ کرامؓ نے اس نامزدگی کی کھل کر مخالفت کی۔

تیسرے صحابہ کرامؓ کا ایک گروہ وہ تھا جو حضرت حسینؓ اور حضرت ابن عباسؓ وغیرہ جیسے صحابہ کے مقابلے میں یزید کو خلافت کے لئے بہتر تو نہیں سمجھتا تھا لیکن اس خیال سے اس کی خلافت کو گوارا کر رہا تھا کہ امت میں افتراق و انتشار برپا نہ ہو مثلاً حمید بن عبدالرحمان کہتے ہیں کہ میں یزید کی ولی عہدی کے وقت حضرت بشیرؓ کے پاس گیا جو صحابہ میں

[1] البدایہ والنہایہ' ص ۲۳۳ ج ۸

سے تھے' تو انہوں نے فرمایا :

"یقولون انما یزید لیس بخیر امة محمد صلی اللہ علیہ وسلم وانا اقول ذلک ولکن لان یجمع اللہ امة محمد احب الی من ان تفترق"[1]

لوگ کہتے ہیں کہ یزید امت محمدؐ میں سب سے بہتر نہیں ہے' اور میں بھی یہی کہتا ہوں لیکن امت محمدؐ کا جمع ہو جانا مجھے افتراق کی بہ نسبت زیادہ پسند ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ یزید کے بارے میں صحابہ کرامؓ کا یہ اختلاف بھی در حقیقت رائے اور اجتہاد کا اختلاف تھا' اور اس معاملے میں کسی کو بھی مطعون نہیں کیا جا سکتا' حضرت معاویہؓ یزید کو محض اپنا بیٹا ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ اسے خلافت کا اہل سمجھنے کی وجہ سے' ولی عہد بنانا چاہتے تھے اور صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت دیانتداری کے ساتھ ان کی ہمنوا تھی اور وہ پانچ صحابہ کرامؓ جنہوں نے اس کی مخالفت کی تھی' وہ کسی ذاتی خصومت یا حرص اقتدار کی بناء پر مخالفت نہیں کر رہے تھے' بلکہ وہ دیانت داری سے یہ سمجھتے تھے کہ یزید خلافت کا اہل نہیں ہے۔

جیسا کہ ہم شروع میں عرض کر چکے ہیں' مذکورہ بالا بحث سے ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ اور معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی رائے واقعہ کے لحاظ سے سو فیصد درست تھی اور انہوں نے جو کچھ کیا وہ نفس الامر میں ٹھیک کیا' بلکہ مذکورہ بحث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ان کی رائے کسی ذاتی مفاد پر نہیں بلکہ دیانت داری پر مبنی تھی' اور انہوں نے جو کچھ کیا وہ امانت کے ساتھ اور شرعی جواز کی حدود میں رہ کر کیا۔ ورنہ جہاں تک رائے کا تعلق ہے' جمہور امت کا کہنا ہے کہ اس معاملے میں رائے انہی حضرات صحابہؓ کی صحیح تھی جو یزید کو ولی عہد بنانے کے مخالف تھے' جس کی مندرجہ ذیل وجوہ ہیں :

(ا) حضرت معاویہؓ نے تو بے شک اپنے بیٹے کو نیک نیتی کے ساتھ خلافت کا اہل سمجھ کر ولی عہد بنایا تھا' لیکن ان کا عمل ایک ایسی نظیر بن گیا جس سے بعد کے لوگوں نے نہایت ناجائز فائدہ اٹھایا' انہوں نے اس کی

[1] الذہبیؒ تاریخ الاسلام ص ۲۶۷ و ۲۶۸ ج ۲

آڑ لے کر خلافت کے مطلوبہ نظام شوریٰ کو درہم برہم کر ڈالا۔ اور مسلمانوں کی خلافت بھی شاہی خانوادے میں تبدیل ہو کر رہ گئی۔

(۲) بلاشبہ حضرت معاویہؓ کے عہد میں یزید کا فسق و فجور کسی قابل اعتماد روایت سے ثابت نہیں اس لئے اس کو خلافت کا اہل تو سمجھا جا سکتا تھا' لیکن امت میں ایسے حضرات کی کمی نہیں تھی جو نہ صرف دیانت و تقویٰ بلکہ ملکی انتظام اور سیاسی بصیرت کے اعتبار سے بھی یزید کے مقابلے میں بہ درجہا بلند مقام رکھتے تھے' اگر خلافت کی ذمہ داری ان کو سونپی جاتی تو بلاشبہ وہ اس سے کہیں بہتر طریقے پر اہل ثابت ہوتے۔

یہ درست ہے کہ افضل کی موجودگی میں غیر افضل کو خلیفہ بنانا شرعاً جائز ہے[1]' (بشرطیکہ اس میں شرائط خلافت موجود ہوں) لیکن افضل یہی ہے کہ خلیفہ ایسے شخص کو بنایا جائے جو تمام امت میں اس منصب کا سب سے زیادہ لائق ہو۔

(۳) نیک نیتی کے ساتھ بیٹے کو ولی عہد بنانا بھی شرعاً جائز تو ہے' لیکن ایک طرف موضع تہمت ہونے کی وجہ سے اس سے بچنا ہی بہتر ہے' اور شدید ضرورت کے بغیر ایسا کرنا اپنے آپ کو ایک سخت آزمائش میں ڈالنا ہے' اسی لئے تمام خلفاء راشدین نے اس سے پرہیز کیا۔ خاص طور سے حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ نے تو لوگوں کے کہنے کے باوجود اپنے قابل اور لائق فرزندوں کو ولی عہد بنانے سے صاف انکار کر دیا تھا۔[2]

یزید اور اس کی ولی عہدی کے سلسلہ میں ہم نے اوپر جو کچھ کہا ہے' جمہور امت کے معتدل اور محقق علماء کا یہی مسلک ہے' قاضی ابوبکر بن عربی مالکیؒ حضرت معاویہؓ کے اس فعل کو جائز قرار دینے کے ساتھ یہ بھی تحریر فرماتے ہیں :

---

[1] الماوردیؒ: الاحکام السلطانیہ ص ۶' المطبعۃ المحمودیہ مصر و ابو یعلی الفراءؒ: الاحکام السلطانیہ ص ۷ مصطفیٰ البابی ۱۳۵۶ھ و ابن العربیؒ: العواصم من القواصم ص ۲۱۱' السلفیۃ ۱۳۷۱ھ و ابن الہمامؒ: المسایرۃ ص ۱۳۶ و ۱۳۷ دارالعلوم دیوبند ۱۳۷۷ھ

[2] الطبری ص ۲۹۲ ج ۳ و ص ۱۱۲ و ۱۱۳ ج ۴ مطبعۃ الاستقامۃ' القاہرہ ۱۳۵۸ھ

ان معاویۃ ترک الافضل فی ان یجعلھا شوریٰ' والا یخص بھا احدا من قرابتہ فکیف ولداً' وان یقتدی بما اشار بہ عبداللہ ابن الزبیرؓ فی الترک او الفعل

بلاشبہ افضل یہ تھا کہ حضرت معاویہؓ خلافت کے معاملے کو شوریٰ کے سپرد کردیتے' اور اپنے کسی رشتہ دار' اور خاص طور سے بیٹے کے لئے اس کو مخصوص نہ کرتے' اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے ان کو جو مشورہ دیا تھا' ولی عہد بنانے یا نہ بنانے میں اسی پر عمل کرتے' لیکن انہوں نے اس افضل کام کو چھوڑ دیا۔[1]

اور حافظ ابن کثیر رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں :

"کان معاویۃ لما صالح الحسن عھد للحسن بالامر من بعدہ فلما مات الحسن قوی امر یزید عند معاویۃؓ ورای انہ لذالک اھلا وذاک من شدۃ محبۃ الوالد لولدہ ولما کان یتوسم فیہ من النجابۃ الدنیویۃ وسیما اولاد الملوک و معرفتھم بالحروب و ترتیب الملک و القیام بابھتہ و کان ظن ان لا یقوم احد من ابناء الصحابۃ فی ھذا المعنیٰ' ولھذا قال لعبد اللہ بن عمرؓ فیما خاطبہ بہ انی خفت ان اذر الرعیۃ من بعدی کالغنم المطیرۃ لیس لھا راع[2]"

"جب حضرت معاویہؓ نے حضرت حسنؓ سے صلح کی تھی تو انہی کو اپنا ولی عہد بھی بنایا تھا' لیکن جب ان کی وفات ہو گئی تو یزید کی طرف حضرت معاویہ کا رجحان قوی ہو گیا' ان کی رائے یہ تھی کہ وہ خلافت کا اہل ہے' اور یہ رائے باپ بیٹے کی شدید محبت کی وجہ سے تھی' نیز اس لئے تھی کہ وہ یزید میں دنیوی نجابت اور شاہزادوں کی سی خصوصیت' فنون جنگ سے واقفیت' انتظام سلطنت اور اس کی ذمہ داری پورا کرنے کی صلاحیت

---

[1] العواصم من القواصم ص ۲۲۲

[2] البدایہ والنہایہ ص ۸۰ ج ۸

دیکھتے تھے اور ان کا گمان یہ تھا کہ صحابہ کرامؓ کے صاحبزادوں میں سے کوئی اس اعتبار سے بہتر انتظام نہ کر سکے گا' اسی لئے انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ مجھے خوف ہے کہ میں عوام کو بکریوں کے منتشر گلے کی طرح چھوڑ کر نہ چلا جاؤں جس کا کوئی چرواہا نہ ہو"

اور علامہ ابن تیمیہ رحمتہ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں :

یزید کے بارے میں لوگوں کے دو فریق ہیں' اور کچھ لوگ بیچ کی رائے رکھتے ہیں' بعض لوگوں کا اعتقاد تو یہ ہے کہ وہ صحابہ یا خلفائے راشدین یا انبیاء میں تھا' یہ اعتقاد بالکل باطل ہے اور کچھ لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ وہ اور اس کا اصل مقصد اپنے کافر رشتہ داروں کا بدلہ لینا تھا۔ یہ دونوں قول باطل ہیں' ہر عقلمند انسان ان اقوال کو باطل سمجھے گا۔

اس لئے کہ یہ شخص (یزید) مسلمان بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ اور شاہی طرز کے خلفاء میں سے ایک خلیفہ تھا' نہ وہ ایسا تھا (جیسے پہلے گروہ نے کہا) اور نہ ویسا (جیسا دوسرے گروہ نے کہا)۔[1]

اور علامہ ابن خلدونؒ لکھتے ہیں :

"حضرت معاویہؓ کے دل میں دوسروں کو چھوڑ کر اپنے بیٹے کو ولی عہد بنانے کا جو داعیہ پیدا ہوا اس کی وجہ امت کے اتحاد و اتفاق کی مصلحت تھی' بنوامیہ کے اہل حل و عقد اس پر متفق ہو گئے تھے' کیونکہ وہ اس وقت اپنے علاوہ کسی اور پر راضی نہ ہوتے۔ اور اس وقت قریش کی سر بر آوردہ جماعت وہی تھی' اور اہل ملت کی اکثریت ان ہی میں سے تھی' اس لئے

---

[1] ابن تیمیہؒ: منہاج السنۃ ص ۲۴۶ و ۲۴۷ ج ۲ بولاق مصر ۱۳۲۱ھ عبارت یہ ہے:

الناس فی یزید طرفان ووسط' قوم یعتقدون انہ من الصحابۃ او من الخلفاء الراشدین المهدیین او من الانبیاء و هذا کلہ باطل و قوم یعتقدون انہ کافر منافق فی الباطن و انہ کان لہ قصد فی اخذ ثار کفار اقاربہ من اهل المدینۃ و بنی هاشم۔ و کلا القولین باطل یعلم بطلانہ کل عاقل فان الرجل ملک من ملوک المسلمین و خلیفۃ من الخلفاء الملوک لا هذا ولا هذا

حضرت معاویہؓ نے اس کو ترجیح دی اور افضل سے غیر افضل کی طرف رجوع کیا... حضرت معاویہؓ کی عدالت اور صحابیت اس کے سوا کچھ اور گمان کرنے سے مانع ہے۔"[۱]

اصل میں جمہور امت کا طرز عمل صحابہ کرامؓ کے بارے میں ہمیشہ سے یہ رہا ہے کہ اگر ان کے کسی فعل کی کوئی ایسی توجیہ ہو سکتی ہو جو صحابیت کے مقام بلند اور ان کی مجموعی سیرت کے شایان شان ہو تو ان کے فعل کو اسی توجیہ پر محمول کیا جاتا ہے مولانا مودودی صاحب بھی اصولی طور پر اس طریق کار کو درست قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں :

تمام بزرگان دین کے معاملے میں عموماً اور صحابہ کرام کے معاملہ میں خصوصاً میرا طرز عمل یہ ہے کہ جہاں تک معقول تاویل سے یا کسی معتبر روایت کی مدد سے ان کے کسی قول یا عمل کی صحیح تعبیر ممکن ہو، اسی کو اختیار کیا جائے اور اس کو غلط قرار دینے کی جسارت اس وقت تک نہ کی جائے جب تک کہ اس کے سوا چارہ نہ رہے۔"

(خلافت و ملوکیت ص:۳۰۸)

سوال یہ ہے کہ کیا مذکورہ بالا بحث کے بعد یہ بات ثابت نہیں ہو جاتی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس اقدام کی "معقول تاویل" ممکن ہے، اور بقول مولانا مودودی صاحب "لیپ پوت" یا "بھونڈی وکالت" کے بغیر ان کے اس عمل کو نیک نیتی پر محمول کیا جا سکتا ہے اور جب صورتحال یہ ہے تو خود مولانا کے بیان کردہ اصول کی روشنی میں انہیں "بدنیت" اور "مفاد پرست" قرار دینا کیوں کر درست ہو سکتا ہے۔

---

[۱] ابن خلدونؒ: مقدمہ ص ۳۷۷ باب ۳ فصل ۳۰ بیروت ۱۹۵۶ء

خلافت یزید کے بارے میں
صحابہؓ کے مختلف نظریات

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ

یزید کو ولی عہد بنانے کی ابتدائی تحریک حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی طرف سے ہوئی تھی، جناب مولانا مودودی صاحب نے اس تحریک کو بھی حضرت مغیرہؓ کے ذاتی مفاد پر مبنی قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ :

> "اس تجویز کی ابتداء حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی طرف سے ہوئی حضرت معاویہؓ انہیں کوفہ کو گورنری سے معزول کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ انہیں اس کی خبر مل گئی۔ فوراً کوفہ سے دمشق پہنچے اور یزید سے مل کر کہا کہ "صحابہ اکابر اور قریش کے بڑے لوگ دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں میری سمجھ میں نہیں آتا کہ امیر المومنین تمہارے لئے بیعت لے لینے میں تامل کیوں کر رہے ہیں۔" یزید نے اس بات کا ذکر اپنے والد ماجد سے کیا۔ انہوں نے حضرت مغیرہؓ کو بلا کو پوچھا کہ یہ کیا بات ہے۔ جو تم نے یزید سے کہی، حضرت مغیرہؓ نے جواب دیا "امیر المومنین آپ دیکھ چکے ہیں کہ قتل عثمان کے بعد کیسے کیسے خون خرابے ہوئے اب بہتر یہی ہے کہ آپ یزید کو اپنی زندگی ہی میں ولی عہد مقرر کر کے بیعت لے لیں تاکہ اگر آپ کو کچھ ہو جائے تو اختلاف نہ ہو" حضرت معاویہؓ نے پوچھا "اس کام کو پورا کرنے

> کی ذمہ داری کون لیگا؟"
> انہوں نے کہا "اہل کوفہ کو میں سنبھال لوں گا اور اہل بصرہ کو زیاد" یہ بات کر کے حضرت مغیرہ کوفہ آئے اور تیس آدمیوں کو تیس ہزار درہم دے کر اس بات پر راضی کیا .....الخ" (ص ۱۳۸ و ۱۳۹)

مولانا نے یہ قصہ کامل ابن اثیر سے نقل کیا ہے اور ساتھ البدایہ اور ابن خلدونؒ کا حوالہ دے کر یہ کہا ہے کہ ان میں بھی اس واقعے کے بعض حصوں کا ذکر ہے، واقعہ یہ ہے کہ البدایہ اور ابن خلدون میں کوئی ایسی بات نہیں ہے، جس کی بناء پر حضرت مغیرہؓ کی اس تجویز کو ذاتی مفاد پر مبنی قرار دیا جائے۔ ہم یہاں ابن خلدون کی عبارت نقل کر دیتے ہیں جو انہوں نے طبری کے حوالہ سے لی ہے اور البدایہ والنہایہ میں بھی واقعہ کم و بیش اسی طرح نقل کیا گیا ہے :

> "حضرت مغیرہؓ حضرت معاویہؓ کے پاس آئے اور ان سے اپنے ضعف کی شکایت کر کے (گورنری سے) استعفٰی دے دیا۔ حضرت معاویہؓ نے اسے منظور کر لیا اور حضرت سعید بن العاص کو ان کی جگہ گورنر بنانے کا ارادہ کیا، مغیرہؓ کے ساتھیوں نے ان سے کہا کہ معاویہؓ آپ سے ناراض ہو گئے ہیں، انہوں نے کہا "ذرا ٹھہرو" پھر وہ یزید کے پاس پہنچ گئے اور اسکے سامنے بیعت کا معاملہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ اکابر صحابہ اور قریش کے بڑے لوگ رخصت ہو چکے ہیں[1]..... الخ"

طبریؒ، حافظ ابن کثیرؒ اور ابن خلدونؒ کے بیانات سے یہ بات واضح ہے کہ حضرت معاویہؓ نے حضرت مغیرہؓ کو از خود معزول نہیں کیا تھا، بلکہ خود حضرت مغیرہؓ نے اپنے ضعف کی بناء پر استعفاء پیش کیا تھا۔ تاریخ کے اولین ماخذ میں تو واقعہ صرف اتنا ہی لکھا ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر حضرت مغیرہؓ کو گورنری کا اتنا زیادہ شوق تھا کہ وہ اسکے لئے امت

---

[1] ابن خلدون ص ۳۳ ج ۳۔ بیروت ۱۹۵۷ء عبارت یہ ہے:

ذکر الطبری بسندہ قال قدم المغیرۃ علی معاویۃ فشکا الیہ الضعف فاستعفاہ فاعفاہ و اراد ان یولی سعید بن العاص و قال اصحاب المغیرۃ للمغیرۃ ان معاویۃ قلاک، فقال لھم رویدا، و نھض الی یزید و عرض لہ بالبیعۃ و قال ذھب اعیان الصحابۃ و کبراء قریش... الخ

محمدیہ کے مفاد کو قربان کر سکتے تھے تو انہوں نے خود آکر استعفاء کیوں پیش کیا؟ اس سوال کا ایک جواب تو وہ ہے جو علامہ ابن اثیرؒ اور مولانا مودودی صاحب نے دیا ہے' وہ یہ ہے کہ درحقیقت یہ استعفاء بھی اپنی قیمت بڑھانے کی ایک چال تھی۔ انہیں پہلے یہ معلوم ہو چکا ہو گا کہ حضرت معاویہؓ کسی وجہ سے ان کو معزول کرنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے یزید کی ولی عہدی کو آڑ بنا کر حضرت معاویہؓ کی خوشنودی حاصل کرنی چاہی مگر یہ سمجھا کہ اگر بحالات موجودہ یہ رائے پیش کروں گا تو حضرت معاویہؓ سمجھ جائیں گے کہ یہ تجویز محض گورنری بچانے کے لئے پیش کی جارہی ہے' اس لئے انہوں نے پہلے مصنوعی طور پر استعفاء پیش کر دیا تاکہ لوگوں پر اور خود حضرت معاویہؓ پر واضح ہو جائے کہ میں ان کا سچا خیر خواہ ہوں اور پھر وہ زبردستی مجھے گورنر بنادیں گے۔

اور دوسرا جواب اس طرح دیا جا سکتا ہے کہ حضرت مغیرہؓ نے واقعتہً خلوص کے ساتھ اپنے ضعف کی بناء پر استعفاء پیش کیا تھا لیکن جب حضرت معاویہؓ نے کچھ کہے بغیر استعفاء منظور کر کے دوسرے کو گورنر بنانے کا ارادہ کیا تو لوگوں نے ان سے کہا کہ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ تمہارے استعفاء دینے سے امیر المومنین ناراض ہو گئے ہیں (جیسا کہ پرانے ماتحت کے اچانک استعفاء دے دینے سے عموماً افسر بالا کو گرانی ہوا کرتی ہے) اس پر حضرت مغیرہؓ نے حضرت معاویہؓ پر یہ واضح کرنا چاہا کہ میں نے کسی رنجش یا ملت کے امور سے عدم دلچسپی کی بناء پر استعفاء نہیں دیا' بلکہ ضعف کی بناء پر استعفاء دیا ہے۔ ورنہ جہاں تک امت کے اجتماعی امور کا تعلق ہے ان سے میری دلچسپی اب بھی برقرار ہے، جس کا عملی ثبوت یہ ہے کہ میں حضرت معاویہؓ کے بعد یزید کو ولی عہد بنانا چاہتا ہوں' جو میری نظر میں خلافت کا اہل ہے اور اس کی ولی عہدی میرے خیال میں امت کو افتراق سے بچا سکتی ہے۔ اور اگر اس مقصد کے لئے مجھے دوبارہ گورنری کی ضرورت پیش آئی تو میں یہ خدمت دوبارہ انجام دینے کے لئے تیار ہوں۔

اس واقعہ کی جو عبارت طبریؒ' حافظ ابن کثیرؒ اور ابن خلدونؒ نے نقل کی ہے' اس میں واقعے کی ان دونوں توجیہات کی یکساں گنجائش ہے۔ یہ عبارتیں نہ پہلے مفہوم میں صریح ہیں نہ دوسرے مفہوم میں' بلکہ پہلے مفہوم پر بھی کچھ عقلی اعتراضات وارد ہو سکتے ہیں' اور دوسرے مفہوم پر بھی اور دونوں ہی صورتوں میں واقعے کے مبہم خلاء کو قیاسات سے پر کرنا

پڑتا ہے۔

اب یہ فیصلہ ہم قارئین پر چھوڑتے ہیں کہ وہ علامہ ابن اثیرؒ اور مولانا مودودی صاحب کو غلطی سے مبرّا ثابت کرنے کے لئے پہلے مفہوم کو ترجیح دیتے ہیں جو حضرت مغیرہؓ کے ساتھ بدگمانی ہی بدگمانی پر مبنی ہے یا حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی جلالت شان اور صحابیت کے مقام بلند کو پیش نظر رکھتے ہوئے دوسرے مفہوم کو اختیار کرتے ہیں جو ہر طرح ان کے شایان شان ہے۔ خود ہمارا ضمیر تو یہ کہتا ہے کہ جس صحابی کی ساری زندگی اسلام کی خدمت میں گزری ہو، جو غزوۂ حدیبیہ کے ان خوش نصیب مجاہدین میں شامل ہو جن سے خوش ہونے کا اعلان خود اللہ نے کردیا ہے۔[1] جس نے اپنی آنکھ غزوۂ یرموک کے مقدس معرکے میں اللہ کے لئے قربان کردی ہو۔[2] جس نے جنگ قادسیہ کے موقع پر پوری امت مسلمہ کا نمائندہ بن کر اپنی قوت ایمانی سے کسریٰ کے ایوان میں زلزلہ ڈال دیا ہو۔[3] جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک سو چھتیس احادیث روایت کی ہوں۔[4] اور جو اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ اقتدار کی حالت میں گزار کر جاہ و منصب سے سیر ہو چکا ہو وہ محض اپنے اقتدار کی مدت کو کچھ اور بڑھانے کے لئے جھوٹ، فریب، مکر، رشوت، ضمیر فروشی اور امت محمدیہؐ سے غداری جیسے سنگین اور گھناؤنے جرائم کا ارتکاب نہیں کرسکتا، اس لئے اس تاریخی قصے کی وہ تعبیر بالکل غلط ہے جو علامہ ابن اثیر اور مولانا مودودی صاحب نے اختیار کی ہے۔

اس واقعے کی اصل حقیقت اور اس کی تعبیر و تشریح کے دونوں رخ ہم نے آپ کے سامنے پیش کردیئے ہیں۔ اب ہم خود مولانا مودودی صاحب ہی کے الفاظ نقل کئے دیتے ہیں جو حضرت علیؓ کے بارے میں انہوں نے لکھے ہیں :

"کسی کا جی چاہے کہ اس قصے کو باور کرے تو ہم اسے روک نہیں سکتے۔
تاریخ کے صفحات تو بہرحال اس سے آلودہ ہی ہیں، مگر ساتھ ہی پھر یہ ماننا

---

[1] تہذیب التہذیب ص ۲۶۳ ج ۱۰ و ابن سعد ص ۲۰ ج ۲ جز و ۲۱

[2] ابن سعد ص ۲۰ ج ۲ جز و ۲۱

[3] البدایہ والنہایہ ص ۳۹ ج ۷

[4] النوویؒ تہذیب الاسماء واللغات ص ۱۰۹ ج ۱ جز و ۲ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر

پڑے گا کہ خاکم بدہن رسالت کا دعویٰ محض ڈھونگ تھا' قرآن شاعرانہ الفاظی کے سوا کچھ نہ تھا اور تقدس کی ساری داستانیں خالص ریاکاری کی داستانیں تھیں۔"

اور......

"ہم خواہ مخواہ کسی کے ساتھ بحث و مناظرہ میں نہیں الجھنا چاہتے ہم نے یہ دونوں تصویریں پیش کر دی ہیں۔ اب ہر صاحب عقل کو خود سوچنا چاہیے کہ ان میں کون سی تصویر مبلغ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اہل بیت و اصحاب کبار کی سیرتوں سے زیادہ مناسبت رکھتی ہے' اگر پہلی تصویر پر کسی کا دل رہجھتا ہے تو رہجھے' مگر اس کے ساتھ امیدواری و دعویداری کا مسئلہ ہی نہیں پورے دین و ایمان کا مسئلہ حل طلب ہو جائیگا۔"[1]

یزید کی بیعت کے سلسلے میں "بدعنوانیاں"

مولانا مودودی صاحب نے فرمایا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے یزید کی بیعت کے سلسلے میں خوف و طمع کے ذرائع سے کام لیا' اس لئے مختصراً ان روایات کے بارے میں بھی چند مختصر باتیں ذہن نشین کر لیجئے جن سے مولانا نے یہ نتیجہ نکالا ہے تاریخ میں جو روایات اس سلسلے میں ملتی ہیں وہ تین قسم کی ہیں' بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے بیعت یزید پر جبر و اکراہ کیا۔ دوسری وہ ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس معاملے میں مکر و فریب سے کام لیا تیسری وہ ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس مقصد کے لئے لوگوں کو رشوت دی۔

جہاں تک جبر و اکراہ کا تعلق ہے یہ صرف کامل ابن اثیرؒ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے جو مولانا مودودی صاحب نے نقل کی ہے۔ یعنی یہ کہ حضرت معاویہؓ نے بیعت یزید کے مخالف صحابہؓ سے کہا کہ "اگر تم میں سے کسی نے میری بات کے جواب میں ایک لفظ بھی کہا تو دوسری بات اس کی زبان سے نکلنے کی نوبت نہ آئے گی تلوار اس کے سر پر پہلے پڑ چکی

---

[1] رسائل و مسائل ص ۷۰-۷۶ ج ۱

ہو گی۔" لیکن یہ روایت صرف کامل ابن اثیرؒ کی ہے۔ جو انہوں نے حسب عادت بغیر سند کے ذکر کی ہے۔ طبریؒ میں بھی جو ابن اثیرؒ کا سب سے بڑا ماخذ ہے اس کا کوئی ذکر نہیں۔ اس کے برعکس مشہور مورخ احمد الیعقوبی حضرت معاویہؓ کے اسی سفر کا ذکر کرتے ہوئے صاف لکھتے ہیں۔

وحج معاوية تلك السنة فتالف القوم ولم يكرههم على البيعة

اور حضرت معاویہؓ نے اس سال حج کیا تو لوگوں کی دلداری کی' اور (یزید کی) بیعت پر انہیں مجبور نہیں کیا"[1]

واضح رہے کہ یعقوبی وہ مورخ ہیں جن کا شیعہ ہونا بہت مشہور ہے' اس کے باوجود وہ حضرت معاویہؓ سے بیعت یزید کے سلسلے میں جبرواکراہ کی صراحۃً تردید کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں وہ کون سی معقول وجہ ہے جس کی بناء پر ابن اثیرؒ کی روایت کو قبول کیا جائے اور یعقوبی کی اس روایت کو چھوڑ دیا جائے؟

رہ گئی یہ بات کہ حضرت معاویہؓ نے اس معاملے میں (معاذ اللہ) مکرو فریب سے کام لیا ہو۔ یہ بات طبریؒ نے اس طرح نقل کی ہے کہ حضرت معاویہؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ' حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ اور دوسرے ان صحابہؓ سے الگ الگ ملے جو یزید کی ولی عہدی کے مخالف تھے۔ اور ان میں سے ہر ایک سے کہا کہ "یزید کے مخالفین کے لیڈر آپ ہیں' آپ نے بیعت کرلی تو سب کرلیں گے" لیکن اس روایت کا راوی کون ہے؟

طبری فرماتے ہیں۔

رجل بنخلة [2]

مقام نخلہ کا ایک شخص

کچھ پتہ نہیں کہ یہ شخص کون ہے؟ کافر ہے یا مسلمان؟ یا سبائی اور منافق؟ سچا ہے یا جھوٹا؟ آخر اس جیسی روایات کی بنیاد پر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کیسے اتنا بڑا الزام کردیا جائے؟

---

[1] تاریخ الیعقوبی ص ۲۲۹ ج ۲ دار صادر بیروت ۱۳۷۹ھ

[2] الطبری: ص ۲۲۵ ج ۴

آخری اعتراض یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ نے رشوتیں دے دے کر لوگوں کو اس بیعت پر آمادہ کیا۔ چنانچہ مولانا مودودی صاحب لکھتے ہیں :

"حضرت مغیرہؓ کوفہ آئے اور دس آدمیوں کو تیس ہزار درہم دیکر اس بات پر راضی کیا کہ ایک وفد کی صورت میں حضرت معاویہؓ کے پاس جائیں اور یزید کی ولی عہدی کے لئے ان سے کہیں' یہ وفد حضرت مغیرہؓ کے بیٹے موسیٰ بن مغیرہ کی سرکردگی میں دمشق گیا اور اس نے اپنا کام پورا کر دیا۔ بعد میں حضرت معاویہؓ نے موسیٰ کو الگ بلا کر پوچھا "تمہارے باپ نے ان لوگوں سے کتنے میں ان کا دین خریدا ہے؟" انہوں نے کہا تیس ہزار درہم میں' حضرت معاویہؓ نے کہا "تب تو ان کا دین ان کی نگاہ میں بہت ہلکا ہے"

رشوت کی یہ روائتیں بھی صرف کامل ابن اثیر میں بغیر کسی سند اور حوالہ کے نقل کی گئی ہیں۔ ابن جریر طبریؒ جو علامہ ابن اثیرؒ کا سب سے بڑا ماخذ ہے' اس میں بھی اس کا کوئی ذکر نہیں' اور حافظ ابن کثیرؒ جو ان کے بعد آئے ہیں' اور بقول مولانا مودودی صاحب "وہ اتنے متدین ہیں کہ تاریخ نگاری میں واقعات کو چھپانے کی کوشش نہیں کرتے"[۱] وہ بھی اس تیس ہزار درہم کے قصے کی طرف کوئی اشارہ تک نہیں دیتے۔ اگر ایسی غیر مستند اور بے حوالہ روایتوں کی بنیاد پر ایک صحابی کو رشوت دینے کا ملزم قرار دیا جا سکتا ہے تو پھر ایک حضرت معاویہؓ ہی کا نہیں تمام صحابہ کرام بلکہ انبیاء علیہم السلام تک کا کردار داغدار دکھایا جا سکتا ہے اور پھر ملوکیت کی جو تصویر مولانا مودودی صاحب نے حضرت معاویہؓ کے عہد کے بارے میں دکھائی ہے کوئی اور "محقق" اس کی ابتداء اس سے پہلے بھی خلافت راشدہ کے عہد سے کر سکتا ہے۔ اسی کامل ابن اثیرؒ میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے سپہ سالار کی خوبصورت بیوی سے نکاح کرنے کے لئے اسے پے در پے کئی خطرناک محاذوں پر صرف اس لئے بھیجا کہ وہ قتل ہو جائے اور جب وہ مارا گیا تو اس کی بیوی کو اپنے حرم میں داخل کر لیا[۲] اور اسی میں کئی مقامات پر حضرت علیؓ کی تصویر اس طرح پیش کی گئی

---

[۱] خلافت و ملوکیت ص ۳۱۵

[۲] کامل ابن اثیر ص ۷۷ ج ۱

ہے جیسے (معاذ اللہ) ان کی ساری عمر عہدۂ خلافت کی آرزو میں بیتاب ہوئے گذری تھی۔[1] اس پہلو کو ہم آگے قدرے تفصیل کے ساتھ واضح کریں گے کہ ان تاریخی روایات کی حیثیت کیا ہے؟ اور علمی مباحث میں ان سے کس طرح استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

حضرت حسینؓ کا موقف

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یزید کی ولی عہدی نیک نیتی کے ساتھ عمل میں آئی تھی اور وہ کھلا فاسق و فاجر نہیں تھا تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اس کے خلاف خروج کیوں کیا؟ یہ سوال اگرچہ ہمارے موضوع زیر بحث سے براہ راست تعلق نہیں رکھتا' لیکن چونکہ اس معاملے میں ایک دوسرے گروہ نے دوسری انتہاء پر پہنچ کر حضرت حسینؓ پر اعتراضات و الزامات کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے'[2] اس لئے یہاں تفصیل میں جائے بغیر نہایت اختصار کے ساتھ حضرت حسینؓ کا وہ موقف بھی پیش کر دیتے ہیں جو ہم نے سمجھا ہے۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے' علماء کا راجح قول یہ ہے کہ ولی عہد بنانے کی حیثیت ایک تجویز کی سی ہوتی ہے اور خلیفہ کی وفات کے بعد امت کے ارباب حل و عقد کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ چاہیں تو ولی عہد ہی کو خلیفہ بنائیں اور چاہیں تو باہمی مشورے سے کسی اور کو خلیفہ مقرر کر دیں۔ لہٰذا حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد یزید کی خلافت اس وقت تک منعقد نہیں ہو سکتی تھی جب تک کہ امت کے ارباب حل و عقد اسے منظور نہ کر لیں۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ' بذات خود شروع ہی سے یزید کو خلافت کا اہل نہیں سمجھتے تھے اور جیسا کہ پیچھے عرض کیا جا چکا ہے' یہ ان کی دیانتدارانہ رائے تھی۔ جب حضرت معاویہؓ کی وفات ہوئی تو انہوں نے دیکھا کہ حجاز کے اکابر اور اہل حل و عقد نے جن میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ شامل تھے' ابھی تک یزید کی خلافت کو تسلیم نہیں کیا' ادھر عراق سے ان کے پاس خطوط کا انبار لگ گیا جس سے واضح ہوتا تھا کہ اہل عراق بھی یزید کی خلافت کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں وہاں کے لوگ مسلسل انہیں یہ لکھ رہے تھے کہ

---

[1] مثال کے طور پر دیکھئے ص ۲۷ ج ۳

[2] جناب محمود احمد عباسی: خلافت معاویہ و یزید اور تحقیق مزید

ہمارا کوئی امام نہیں ہے اور ہم نے ابھی تک کسی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی۔[۱] ان حالات میں ان کا موقف یہ تھا کہ صرف اہل شام کی بیعت پوری امت پر لازم نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا اس کی خلافت ابھی منعقد ہی نہیں ہوئی اس کے باوجود وہ پورے عالم اسلام پر بزور متصرف ہونا چاہ رہا ہے تو اس کی حیثیت ایک ایسے سلطان متغلب کی سی ہے جو غلبہ پانا چاہتا ہے مگر ابھی پا نہیں سکا۔ ایسی حالت میں اس کے غلبہ کو روکنا وہ اپنا فرض سمجھتے تھے اور اسی لئے انہوں نے پہلے حالات کی تحقیق کے لئے حضرت مسلم بن عقیلؓ کو روانہ کیا تاکہ صحیح صورتحال معلوم ہو سکے۔ لہٰذا کوفہ کی طرف ان کا کوچ فقہی نقطۂ نظر سے بغاوت کے لئے نہیں تھا بلکہ ایک متغلب کے غلبہ کو روکنے کے لئے تھا۔ اگر ان کی نظر میں صورتحال یہ ہوتی کہ یزید پورے عالم اسلام پر بزور قابض ہو چکا ہے اور اس کا تسلط مکمل ہو گیا ہے' تب بھی وہ بہ حالت مجبوری احکام شریعت کے مطابق یزید کو سلطان متغلب تسلیم کر کے خاموش ہو جاتے' لیکن ان کی نظر میں صورت حال یہ تھی کہ یزید کا تسلط ابھی مکمل نہیں ہوا' اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ اس کے اقتدار کو ابھی روکا جا سکتا ہے' اور یہی وجہ ہے کہ جب کوفہ کے قریب پہنچنے کے بعد انہیں معلوم ہوا کہ کوفہ کے لوگوں نے غداری کی ہے اور یزید کا تسلط وہاں پر مکمل ہو گیا ہے تو انہوں نے وہ تین مشہور تجاویز پیش کیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ :

اما ان اضع یدی فی ید یزید[۲]

یا پھر میں اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ میں دے دوں گا۔

اس کا صاف مطلب ہی یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب یہ معلوم ہو گیا کہ یزید کا تسلط پوری طرح قائم ہو چکا ہے تو سلطان متغلب کی حیثیت سے وہ اس کے ہاتھ پر بیعت کے لئے رضا مند ہو گئے تھے' لیکن عبید اللہ بن زیاد نے شمر بن ذی الجوشن کے مشورے پر عمل کر کے ان کی کسی بات کو نہ مانا اور اس بات پر اصرار کیا کہ وہ غیر مشروط طور

---

[۱] الطبریؒ: ص ۲۶۳ ج ۴۔ والبدایۃ ص ۱۵۱ و ۱۵۲ ج ۸ و الیعقوبی ص ۲۴۲ ج ۲ والامۃ والسیاسۃ۔

[۲] الطبریؒ ص ۳۱۳ ج ۴' البدایہ والنہایہ ص ۱۷۵ ج ۸ وغیرہ میں بھی اس تجویز کا ذکر ہے ایک راوی کا کہنا ہے کہ حضرت حسینؓ نے یہ تجویز پیش نہیں کی لیکن اس کے مقابلے میں وہ روایات زیادہ ہیں جن میں اس تجویز کا ذکر کیا گیا ہے۔

پر عبید اللہ بن زیاد کے پاس حاضری دیں۔ ظاہر ہے کہ عبید اللہ بن زیاد کی اس نامعقول بات کو ماننا حضرت حسین پر لازم نہیں تھا اور وہ اس میں اپنی جان کا خطرہ سمجھتے تھے' اس لئے بالآخر انہیں مقابلہ کرنا پڑا۔ اور کربلا کا المیہ پیش آکر رہا۔

جہاں تک یزید کا تعلق ہے' یہ بالکل درست ہے کہ کسی بھی معتبر روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس نے خود حضرت حسینؓ کو شہید کیا یا انہیں شہید کرنے کا حکم دیا بلکہ بعض روایات سے یہ ثابت ہے کہ اس نے آپ کی شہادت پر افسوس کا اظہار کیا اور عبید اللہ بن زیاد کو اپنی مجلس میں برا بھلا کہا۔[1] لیکن اس کی یہ غلطی ناقابل انکار ہے کہ اس نے عبید اللہ بن زیاد کو اس سنگین جرم پر کوئی سزا نہیں دی۔ لہٰذا مولانا مودودی صاحب نے یہ بات بالکل صحیح لکھی ہے کہ :

> "ہم یہی روایت صحیح مان لیتے ہیں کہ وہ حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کے سر دیکھ کر آبدیدہ ہو گیا اور اس نے کہا کہ "میں حسینؓ کے قتل کے بغیر بھی تم لوگوں کی طاعت سے راضی تھا' اللہ کی لعنت ہو ابن زیاد پر' خدا کی قسم اگر میں وہاں ہوتا تو حسینؓ کو معاف کر دیتا" اور یہ کہ "خدا کی قسم اے حسین' میں تمہارے مقابلے میں ہوتا تو میں تمہیں قتل نہ کرتا" پھر بھی یہ سوال لازماً پیدا ہوتا ہے کہ اس ظلم عظیم پر اس نے اپنے سر پھرے گورنر کو کیا سزا دی؟ حافظ ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ اس نے ابن زیاد کو نہ کوئی سزا دی' نہ اسے معزول کیا' نہ اسے ملامت ہی کا کوئی خط لکھا۔"

---

[1] البدایہ والنہایہ ص ۲۰۲ و ۲۰۳ ج ۸

چند اصولی مباحث

اس مقالہ میں ہمیں "خلافت و ملوکیت" کی جن جزئیات پر گفتگو کرنی تھی وہ پوری ہو گئیں' اب ہم وعدہ کے مطابق چند اصولی مسائل پر مختصر بحث کریں گے۔

عدالت صحابہؓ کا مسئلہ :

مولانا مودودی صاحب کی کتاب "خلافت و ملوکیت" کو جس وجہ سے سب زیادہ تنقید کا نشانہ بننا پڑا ہے اور جس وجہ سے سنجیدہ علمی حلقوں نے بھی اس کی تردید کرنا ضروری سمجھا ہے' وہ یہ ہے کہ اگر اس کتاب کے ان مندرجات کو درست مان لیا جائے جو خاص طور سے حضرت معاویہؓ سے متعلق ہیں' تو اس سے عدالت صحابہؓ کا وہ بنیادی عقیدہ مجروح ہوتا ہے جو اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے اور جسے مولانا مودودی صاحب بھی اصولی طور پر درست مانتے ہیں۔ مولانا نے اپنی کتاب کے ضمیمے میں یہ سوال اٹھا کر تقریباً پانچ صفحات میں اس اعتراض کا جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ ہم نے ان کی اس بحث کو بار بار بنظرِ غائر پڑھا' لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس سے اصل زیر بحث سوال بالکل حل نہیں ہوتا۔ مولانا نے "الصحابۃ کلھم عدول" (تمام صحابہؓ عادل ہیں) کو اصولی طور پر اپنا عقیدہ قرار دے کر یہ لکھا ہے کہ اس عقیدے کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ صحابہؓ سے کوئی غلطی سرزد نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ روایت حدیث میں انہوں نے پوری دیانت اور ذمہ داری سے کام لیا ہے۔ اس پر بحث کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں :-

> یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا کسی شخص سے کوئی کام عدالت کے منافی سرزد ہونے کا یہ نتیجہ ہو سکتا ہے کہ صفت عدالت اس سے بالکلیہ منتفی ہو جائے اور ہم سرے سے اس کے عادل ہونے ہی کی نفی کر دیں اور وہ روایت حدیث کے معاملے میں ناقابل اعتماد ٹھہرے؟ میرا جواب یہ ہے کہ کسی شخص کے ایک دو یا چند معاملات میں عدالت کے منافی کام کر گذرنے

سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کی عدالت کی کلّی نفی ہو جائے اور وہ عادل کے بجائے فاسق قرار پائے در آنحا لیکہ اس کی زندگی میں مجموعی طور پر عدالت پائی جاتی ہو۔"

لیکن اس گفتگو میں مولانا نے اس بحث کو صاف نہیں فرمایا، عقلی طور پر عدالت صحابہؓ کے تین مفہوم ہو سکتے ہیں :۔

۱۔ صحابہ کرامؓ معصوم اور غلطیوں سے بالکل پاک ہیں۔

۲۔ صحابہ کرامؓ اپنی عملی زندگی میں "معاذاللہ" فاسق ہو سکتے ہیں، لیکن روایت حدیث کے معاملہ میں وہ بالکل عادل ہیں۔

۳۔ صحابہ کرامؓ نہ تو معصوم تھے اور نہ فاسق، یہ ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کسی سے بعض مرتبہ بتقاضائے بشریت "دو ایک یا چند" غلطیاں سرزد ہو گئی ہوں، لیکن تنبہ کے بعد انہوں نے توبہ کرلی اور اللہ نے انہیں معاف فرمادیا۔ اس لئے وہ ان غلطیوں کی بناء پر فاسق نہیں ہوئے۔ چنانچہ یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی صحابی نے گناہوں کو اپنی "پالیسی" بنالیا ہو جس کی وجہ سے اسے فاسق قرار دیا جاسکے۔

اصل سوال یہ ہے کہ مولانا مودودی صاحب ان میں سے کون سے مفہوم کو درست سمجھتے ہیں؟ پہلے مفہوم کو تو انہوں نے صراحۃً غلط کہا ہے، اور جمہور اہل سنت بھی اسے غلط کہتے ہیں۔ اب آخری دو مفہوم رہ جاتے ہیں، مولانا نے یہ بات صاف نہیں کی ان میں سے کونسا مفہوم وہ درست سمجھتے ہیں؟ اگر ان کی مراد دوسرا مفہوم ہے یعنی یہ کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین صرف روایت حدیث کی حد تک عادل ہیں، ورنہ اپنی عملی زندگی میں وہ "معاذاللہ" فاسق وفاجر بھی ہو سکتے ہیں تو یہ بات ناقابل بیان حد تک غلط اور خطرناک ہے۔ اس لئے کہ اگر کسی صحابی کو فاسق وفاجر مان لیا جائے تو آخر روایت حدیث کے معاملے میں اسے فرشتہ تسلیم کرنے کی کیا وجہ ہے؟ جو شخص اپنے ذاتی مفاد کے لئے جھوٹ، فریب، رشوت، خیانت اور غداری کا مرتکب ہو سکتا ہے وہ اپنے مفاد کے لئے جھوٹی حدیث کیوں نہیں گھڑ سکتا؟ روایت حدیث کے معاملے میں آپ اس کے اعتماد کو یہ کہہ کر کیسے بحال کر سکتے ہیں کہ :

"کبھی کسی فریق نے کوئی حدیث اپنے مطلب کے لئے اپنی طرف سے گھڑ

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہیں کی' نہ کسی صحیح
حدیث کو اس بناء پر جھٹلایا کہ وہ اس کے مفاد کے خلاف پڑتی ہے۔"

اسی لئے تمام محدثین اس اصول کو مانتے آئے ہیں کہ جو شخص فاسق وفاجر ہو اس کی روایت صحیح نہیں ہوتی' ورنہ اگر روایات کو مسترد کرنے کے لئے یہ شرط لگادی جائے کہ راوی کا ہر ہر روایت میں جھوٹ بولنا ثابت ہو تو شاید کوئی بھی روایت موضوع ثابت نہیں ہوسکے گی اور حدیث کے تمام راوی معتبر اور مستند ہو جائیں گے' خواہ وہ عملی زندگی میں کتنے ہی فاسق وفاجر ہوں۔

اور اگر مولانا مودودی صاحب عدالتِ صحابہؓ کو تیسرے مفہوم میں درست سمجھتے ہیں جیسا کہ ان کی اوپر نقل کی ہوئی ایک عبارت سے معلوم ہوتا ہے سو یہ مفہوم جمہور اہل سنت کے نزدیک درست ہے' لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر انہوں نے جو اعتراضات اپنی کتاب میں کئے ہیں اگر ان کو درست مان لیا جائے تو عدالت کا یہ مفہوم ان پر صادق نہیں آسکتا۔ مولانا مودودی صاحب کی کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے :

۱۔ اپنے بیٹے کے لئے خوف و طمع کے ذرائع سے بیعت لی۔ (ص ۱۴۸)

۲۔ اس غرض کے لئے رشوتیں دیں۔ (ص ۱۴۹' ۱۵۰)

۳۔ مخالفین کو قتل کی دھمکیاں دے کر مجبور کیا۔ (ص ۱۵۳)

۴۔ حجر بن عدیؓ جیسے "زاہد وعابد صحابی" اور ان کے ساتھیوں کو محض ان کی حق گوئی کی وجہ سے قتل کیا۔ (ص ۱۶۴' ۱۶۵)

۵۔ مسلمان کو کافر کا وارث قرار دینے کی بدعت جاری کی۔ (ص ۱۷۳)

۶۔ دیت کے احکام میں بدعت جاری کر کے آدھی دیت خود اپنے ذاتی استعمال کے لئے لینی شروع کردی۔ (ص ۱۷۴)

۷۔ حضرت علیؓ پر خود بر سر منبر سب وشتم کرنے کی بدعت جاری کی۔ (ص ۱۷۴)

۸۔ مال غنیمت کی تقسیم میں خیانت کر کے سونا چاندی اپنے استعمال میں لانے کا حکم دے دیا۔ (ص ۱۷۴)

۹۔ "اپنے والد ماجد کی زناکاری پر (جھوٹی) شہادتیں لیں اور اس کا ثبوت بہم پہنچایا کہ زیاد ان ہی کا ولد الحرام ہے۔ پھر اسی بنیاد پر اسے اپنا بھائی قرار دے دیا۔" (ص ۱۷۵)

۱۰۔ "اپنے گورنروں کو قانون سے بالا تر قرار دے دیا۔" (ص ۱۷۵)

۱۱۔ ان کے گورنروں نے (ان کی عملی رضامندی سے) مسلمان عورتوں کو کنیز بنایا اور "یہ ساری کارروائیاں گویا اس بات کا عملاً اعلان تھیں کہ اب گورنروں اور سپہ سالاروں کو ظلم کی کھلی چھوٹ ہے، اور سیاسی معاملات میں شریعت کی کسی حد کے وہ پابند نہیں ہیں۔"

بنیادی سوال یہ ہے کہ اگر یہ "چارج شیٹ" درست ثابت ہو جائے تو اس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ "معاذ اللہ" فاسق۔ قرار پاتے ہیں یا نہیں؟ اگر فاسق قرار پاتے ہیں تو عدالت کا یہ تیسرا مفہوم جسے آپ درست مان کر آئے ہیں، ان پر کیسے صادق آ سکتا ہے؟ اور اگر وہ ان "مکروہ بدعتوں" اور "قرآن وسنت کے احکام کی صریح خلاف ورزیوں" کے باجود فاسق نہیں ہیں تو آخر کیوں؟ جو شخص رشوت، جھوٹ، مکروفریب، قتل نفس، اجراء بدعت، غلول (مال غنیمت میں خیانت) جھوٹی گواہی، جھوٹی نسبت، اعانت ظلم اور دیاثت (مسلمان عورتوں کی آبروریزی پر عملاً راضی رہنا) جیسے سنگین اور گھناؤنے جرائم کا مجرم ہوا سے آخر کس بناء پر فسق کے الزام سے بری کیا جا سکتا ہے؟ ان تمام جرائم کا الزام اس کے سر تھوپنے کے بعد بات کو یہ کہہ کر کیسے جھٹلایا جا سکتا ہے کہ :

"کسی شخص کے ایک دو یا چند معاملات میں عدالت کے منافی کام کر گذرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کی عدالت کی کلّی نفی ہو جائے اور وہ عادل کے بجائے فاسق قرار پائے" (ص ۳۰۴)

کیا ان جرائم کو "ایک دو یا چند" گناہ "کر گذرنے" سے تعبیر کرنا اس "لیپ پوت" کی تعریف میں نہیں آتا جس سے مولانا مودودی صاحب بچنا چاہتے ہیں؟ جبکہ ان گناہوں میں سے ہر گناہ کبیرہ ہے، اس پر عذاب جہنم کی شدید وعیدیں وارد ہوئی ہیں، اور خود مولانا مودودی صاحب کے کہنے کے مطابق یہ گناہ اتفاقی طور سے سرزد نہیں ہو گئے تھے، بلکہ باقاعدہ "پالیسی" بنا لیا گیا تھا۔

واقعہ یہ ہے کہ مولانا مودودی صاحب نے جو کچھ حضرت معاویہؓ کے بارے میں لکھا ہے، اگر اسے صحیح مان لیا جائے تو انہیں "فسق" کے الزام سے بری قرار دینے کے کوئی معنی ہی نہیں ہیں، پھر تو لازماً یہ کہنا پڑے گا کہ "معاذ اللہ" وہ فاسق تھے، اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں "الصحابۃ کلھم عدول" کا عقیدہ سلامت نہیں رہ سکتا۔ اور پھر اس ایک عقیدے

پر کیا موقوف ہے' اسلام کے سارے عقائد اور سارے احکام ہی خطرے میں پڑ جاتے ہیں۔

تاریخی روایات کا مسئلہ :

مولانا مودودی صاحب نے اپنی کتاب کے ضمیمے میں اس پہلو پر بھی بحث کی ہے کہ جن تاریخی کتابوں کے حوالے سے انہوں نے روایات نقل کی ہیں' وہ قابل اعتماد ہیں یا نہیں؟ انہوں نے حدیث اور تاریخ کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جرح وتعدیل کے معروف طریقے دراصل احکامی احادیث کے لئے مقرر کیے گئے ہیں' اور تاریخی روایت کی اس معیار پر تحقیق شروع کی گئی تو تاریخ اسلام کا کم از کم ۱۰/۹ حصہ ناقابل قبول ہو جائے گا۔

یہاں ہمیں دو گذارشیں کرنی ہیں :

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ بات کہتے وقت مولانا نے مسئلے کی صحیح نوعیت کو محسوس نہیں فرمایا' یہ مسئلہ جو اس وقت زیر بحث ہے' محض تاریخ کا مسئلہ نہیں ہے' بلکہ یہ عقائد و کلام کا مسئلہ ہے' مشاجرات صحابہؓ میں کون حق پر تھا؟ کس سے کس قسم کی غلطی سرزد ہوئی؟ اور اس غلطی کا اثر عدالت صحابہؓ کے عقیدے پر کیا پڑتا ہے؟ یہ تمام مسائل عقائد کے مسائل ہیں' ساری امت ان مسائل کو عقائد کا جزو مانتی آئی ہے۔ علم عقائد و کلام کی کوئی کتاب ان سے خالی نہیں ہے۔ اور ان ہی مسائل کی بنیاد پر اسلام میں بہت سے فرقے پیدا ہو گئے ہیں' اور جب مولانا مودودی صاحب خود یہ تسلیم فرماتے ہیں کہ احکام شریعت کا استنباط ان مجروح تاریخی روایات سے نہیں ہو سکتا تو عقائد کا معاملہ بہر حال بلند ہے' علماء کی تصریح کے مطابق صحیح بلکہ حسن خبر واحد سے بھی احکام کا استنباط ہو سکتا ہے' لیکن عقائد کے استنباط کے لئے نری خبر واحد بھی کافی نہیں ہوتی' ایسی صورت میں اس مسئلے کا فیصلہ ان مجروح تاریخی روایات کی بنیاد پر کیونکر کیا جا سکتا ہے؟ کیا کسی صحابیٔ رسولؐ پر گناہ کبیرہ کا الزام عائد کرنا اتنی ہی معمولی بات ہے کہ اس کے کہنے والے کے بارے میں یہ تحقیق کرنے کی اجازت بھی نہ دی جائے کہ وہ کون تھا؟ اس کے عقائد کیسے تھے؟ اور وہ جھوٹا تھا یا سچا تھا؟

یہ بات صرف عقیدت اور محبت کی بنیاد پر نہیں کہی جا رہی' بلکہ یہ عقل کا فطری تقاضا ہے کہ جس شخص کی زندگی میں مجموعی طور سے خیر غالب ہو' اس پر کسی گناہ کبیرہ کا الزام اس

وقت تک درست تسلیم نہیں کیا جائے جب تک وہ مضبوط اور قوی دلائل سے صحیح ثابت نہ ہو چکا ہو۔ صحابہ کرام کا معاملہ تو بہت بلند ہے' ہم تو دیکھتے ہیں کہ تمام معقولیت پسند لوگ عام مسلمانوں کے بارے میں اسی طرز فکر کو ضروری سمجھتے ہیں' آسانی کے لئے ہم ایک مثال پیش کرتے ہیں :-

مولانا مودودی صاحب سے بہت سے مسائل میں اختلاف کے باوجود ہمارا خیال یہ ہے کہ وہ اتنے باکردار ضرور ہیں کہ اپنا ضمیر بیچ کر ملک وملت کی غداری پر آمادہ نہیں ہو سکتے۔ اب اگر کوئی شخص آکر یہ اطلاع دے کہ وہ (خدانہ کردہ) ضمیر فروشی اور ملت کی غداری کے مرتکب ہوئے ہیں تو کیا اس خبر کی مکمل تحقیق کئے بغیر اس کی تصدیق کرلینا کسی معقولیت پسند انسان کا کام ہو سکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ نہیں! ہر حقیقت پسند انسان اس خبر کی تصدیق کرنے سے پہلے یہ معلوم کرنیکی کوشش کریگا کہ یہ خبر دینے والا کون ہے؟ اس نے کس سے یہ بات سنی ہے؟ بلاواسطہ سنی ہے یا بیچ میں کوئی واسطہ ہے؟ یہ واسطے کس حد تک قابل اعتماد ہیں اور ان میں کوئی شخص ایسا تو نہیں جو مولانا سے عناد رکھتا ہو؟ اگر تحقیق کے بعد یہ ثابت ہو کہ یہ خبر دینے والے ناقابل اعتماد ہیں' یا ان میں سے کوئی ایک شخص افواہ طراز ہے' یا ان کا معاند ہے تو کیا پھر بھی اس خبر کو بنیاد بنا کر مولانا پر یہ تہمت لگانا قرین انصاف ہوگا؟ اور اگر یہ خبر کسی مستند اخبار میں چھپ جائے تو کیا اس کے بعد اس کے راویوں کی تحقیق ممنوع قرار پائیگی؟ اور جو شخص اس مطبوعہ خبر کی تردید کے لئے اس کے راویوں کے حالات کی چھان بین کرے کیا اسے یہ کہہ کر روکا جاسکے گا کہ اس اخبار کا ایڈیٹر ثقہ آدمی ہے' لہٰذا اس کی چھاپی ہوئی ہر خبر قابل تسلیم ہے؟ اور اگر کوئی شخص رپورٹروں کو ناقابل اعتماد قرار دے کر اس خبر کو جھٹلائے تو کیا اسے یہ طعنہ دیا جاسکے گا کہ اگر ان غیر معتبر رپورٹروں کی یہ بات تسلیم نہیں کرتے تو اخبار کی کوئی خبر تسلیم کرنے کا تمہیں حق نہیں ہے کیونکہ اخبار کی تمام خبریں انہی رپورٹروں کی دی ہوئی ہیں؟

اگر ان تمام سوالات کا جواب نفی میں ہے' اور ظاہر ہے کہ نفی ہی میں ہے' تو پھر کیا وجہ ہے کہ حضرت معاویہؓ اور دوسرے صحابہؓ کے بارے میں یہ تحقیق ممنوع قرار پاجاتی ہے' اور جو شخص ان پر گناہ کبیرہ کا الزام عائد کرنے والے راویوں کی تحقیق کے لئے اسماء الرجال کی کتابیں' کھولنا چاہتا ہے وہ مولانا مودودی صاحب کے نزدیک گردن زدنی ہوتا ہے؟

مولانا مودودی صاحب نے اس فرق پر بہت زور دیا ہے جو حدیث اور تاریخ کے معیار استناد میں ان کے نزدیک ملحوظ رہنا چاہیے۔ ان کا کہنا ہے کہ واقدی، سیف بن عمر، کلبی اور ابو مخنف جیسے راوی "احکامی احادیث" میں تو واقعی ناقابل اعتماد ہیں، مگر تاریخی واقعات میں ان کے بیانات قابل قبول ہیں۔ مولانا نے فرمایا ہے کہ اگر تاریخ کے معاملہ میں بھی انہیں ناقابل اعتماد قرار دے دیا گیا تو ہماری تاریخ کا کم از کم ۹/۱۰ حصہ بالکل غیر معتبر قرار پا جائے گا۔

لیکن جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں، تاریخی واقعات میں ان راویوں کے قابل اعتماد ہونے کے معنی یہ نہیں کہ ان کے بیان کئے ہوئے وہ واقعات بھی بے چوں وچرا تسلیم کر لئے جائیں جن کی زد عقائد یا احکام پر پڑتی ہے۔ کسی بات کے محض "تاریخی" ہونے کا فیصلہ صرف اس بات سے نہیں کیا جا سکتا ہے کہ وہ کسی تاریخ کی کتاب میں لکھی ہوئی ہے بلکہ اگر تاریخی کتابوں میں عقائد و احکام سے متعلق کوئی چیز آئے گی تو اسے جانچنے کے لئے لازماً وہی اصول استعمال کرنے پڑیں گے جو عقائد و احکام کے استنباط کے لئے مقرر ہیں۔

واقعہ یہ ہے بعض راویوں کے بارے میں علماء نے جو یہ کہا ہے کہ "ان کی روایتیں احکام کے معاملے میں مردود اور سیر و تواریخ میں مقبول ہیں"

اس سے مراد سیر و تواریخ کے وہ واقعات ہیں جن سے عقائد و احکام پر کوئی اثر نہیں پڑتا، کون سا غزوہ کون سے سن میں ہوا؟ اس میں کتنے افراد شریک تھے؟ اس کی قیادت کس نے کی؟ اس میں کس کو فتح اور کس کو شکست ہوئی؟ ظاہر ہے کہ یہ اور اس جیسے دوسرے واقعات ایسے ہیں کہ ان سے عقائد و احکام پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ چنانچہ ان معاملات میں ضعیف راویوں کی روایات کو بھی گوارا کر لیا گیا ہے[۱]۔ لیکن مشاجرات صحابہؓ اور صحابہؓ کی عدالت کے وہ مسائل جو خالص عقائد سے تعلق رکھتے ہیں اور جن کی بنیاد پر اسلام میں کئی کئی فرقے پیدا ہو گئے ہیں۔ ان میں ان راویوں کی روایات ہرگز قبول نہیں کی جا سکتیں، مذکورہ بالا مسائل کا فیصلہ قرآن و سنت اور اجماع کے مضبوط دلائل ہی سے ہو سکتا ہے۔

---

[۱] گوارا کرنے کا مفہوم یہاں بھی یہ نہیں ہے کہ ان روایتوں کا مطالعہ کرتے وقت نقد و نظر کے تمام اصولوں پر بالکل ہی تالا ڈال دیا جائے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ صرف ان راویوں کے ضعف کی بنیاد پر ان روایتوں کو رد نہیں کر دیں گے۔ چنانچہ اگر کچھ دوسرے دلائل ان کے خلاف مل جائیں تو ان روایات کو بھی تسلیم کرنے پر اصرار نہیں کیا جائے گا۔

اس کی صاف اور سادہ سی مثال یہ ہے کہ آپ روزانہ اخبار میں بے شمار خبریں پڑھتے ہیں' اور ان کے رپورٹروں کی تحقیق کو ضروری نہیں سمجھتے' لیکن جن خبروں سے کسی معروف شخصیت پر کوئی سنگین الزام لگتا ہو یا ان سے کوئی شرعی مسئلہ متاثر ہوتا ہو انہیں تسلیم کرنے سے پہلے ہر معقول آدمی اس خبر کی تحقیق کرتا ہے' اور اگر معلوم ہو کہ رپورٹر ناقابل اعتماد تھے تو اس خبر کی تصدیق نہیں کرتا۔ آج فلاں جگہ بس الٹ گئی۔ فلاں شہر میں زلزلہ آگیا' فلاں مقام پر فلاں سیاسی جماعت کا اجلاس منعقد ہوا۔ فلاں فلاں لیڈر نے ایک جلسہ عام سے خطاب کیا۔ اگر یہ خبریں کسی ذمہ دار اخبار میں شائع ہوئی ہوں تو آپ انہیں تسلیم کر لیتے ہیں۔ خواہ آپ کو یہ یقین ہو کہ اس خبر کا رپورٹر کوئی دہریہ ہے' لیکن اگر یہی دہریہ رپورٹر یہ خبر دے کہ فلاں مشہور عالم دین نے چوری کر لی ہے یا فلاں مشہور سیاسی لیڈر نے کسی غیر ملکی سفارت خانے سے جاسوسی کی رقم حاصل کی ہے' تو آپ محض اخبار کی خبر پر اعتماد کرنے کے بجائے لازماً اس خبر کی پوری تحقیق کرتے ہیں اور جب تک مضبوط دلائل سے خبر درست ثابت نہ ہو جائے' آپ اس عالم دین کو چور یا سیاسی لیڈر کو ضمیر فروش قرار نہیں دے سکتے۔

اگر کوئی شخص رپورٹروں کو ناقابل اعتماد اور جھوٹا ثابت کر کے ایسی خبروں کی تردید کرے تو کیا اس سے یہ کہا جاسکے گا کہ یا تو اخبار کا ۱۰/۹ حصہ' جو انہی رپورٹروں نے مرتب کیا ہے' رد کردو' یا ان خبروں کو بھی بے چون چرا درست مانو؟..... اگر یہ کہنا درست نہیں ہے' اور کوئی معقول انسان اس اعتراض کو درست نہیں کر سکتا تو بیچاری تاریخ اسلام ہی اتنی لاوارث کیوں ہے کہ اس کی تحقیق و تنقید کا ہر دروازہ بند ہو گیا ہے' اور اب کوئی شخص اس مقصد کے لئے اسماء الرجال کی کتابیں بھی نہیں کھول سکتا؟

یہی وہ بات ہے جسے اہل السنۃ والجماعت کے علماء شروع سے کہتے چلے آئے ہیں کہ ان ضعیف تاریخی روایات کے ذریعے صحابہ کرام پر کسی گناہ کا الزام عائد نہیں کیا جاسکتا' مثال کے طور پر علامہ احمد بن حجر الہیثمیؒ اپنی مشہور کتاب الصواعق المحرقہ میں لکھتے ہیں :

والواجب ایضا علی کل من سمع شیئا من ذالک ان یتثبت فیه ولا ینسبه الی احد منهم بمجرد رویة فی کتاب اوسماعه من شخص بل لابد ان یبحث عنه حتی یصح عنده نسبة الی

احدهم فحینئذ الواجب ان یلتمس لهم احسن التاویلات [1]

"اور جو شخص (صحابہ کرامؓ کی لغزشوں سے متعلق) کچھ سنے تو اس پر واجب ہے کہ اس معاملے میں تحقیق سے کام لے اور صرف کسی کتاب میں دیکھ لینے یا کسی شخص سے سن لینے کی بناء پر اس غلطی کو ان میں سے کسی کی طرف منسوب نہ کرے' بلکہ یہ ناگزیر ہے کہ اس کی پوری تحقیق کرے' یہاں تک کہ اس کی نسبت ان کی طرف صحیح ثابت ہو جائے' اس مرحلے پر یہ واجب ہے کہ ان کے لئے تاویلات تلاش کرے۔"

اور اپنی ایک دوسری کتاب تطہیر الجنان میں رقم طراز ہیں :

لا یجوز لاحد ان یذکر شیئا مما وقع بینهم یستدل به علی بعض نقص من وقع له ذلک والطعن فی ولایته الصحیحة اولیغری العوام علی سبهم و ثلبهم و نحو ذلک من المفاسد' ولم یقع ذلک الا للمبتدعة وبعض جهلة النقلة الذین ینقلون کلما رأوه ویترکونه علی ظاهره غیر طاعنین فی سنده ولا مشیرین لتاویله وهذا شدید التحریم لما فیه من الفساد العظیم وهو اغراء للعامة ومن فی حکمهم علی تنقیص اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم الذین لم یقم الدین الا بنقلهم الینا کتاب الله وما سمعوه و شاهدوه من نبیه من سنته الغراء الواضحة البیضاء [2]

صحابہ کرام کے درمیان جو واقعات ہوئے ہیں' کسی کے لئے جائز نہیں ہے' کہ انہیں ذکر کر کے ان کے نقص پر استدلال کرے اور اسکے ذریعہ کسی صحابی کی ولایت صحیحہ پر معترض ہو یا عوام کو انہیں برا بھلا کہنے پر

---

۱ الہیثمیؒ: الصواعق المحرقة فی الرد علی اهل البدع والزندقة ص ۱۲۹ مصطفیٰ البابی مصر ۱۳۲۴ھ:
[اس] حوالے کے لئے ہم محترم جناب مولانا محمد یوسف صاحب خطیب جامع اہل حدیث مصطفیٰ آباد
[لاہو]ر کے شکرگزار ہیں۔
[۲] تطہیر الجنان واللسان بہامش الصواعق المحرقہ: ص ۶۵

اکسائے۔ یہ کام صرف اہل بدعت کا ہے اور بعض ان جاہل ناقلوں کا جو ہر اس چیز کو نقل کردیتے ہیں جو انہوں نے کہیں دیکھ لی ہو اور اس سے اس کا ظاہری مفہوم مراد لیتے ہیں، نہ اس روایت کی سند پر کوئی طعن کرتے ہیں، اور نہ اسکی تاویل کی طرف اشارہ کرتے ہیں، یہ بات سخت حرام وناجائز ہے کیوں کہ اس سے فساد عظیم رونما ہو سکتا ہے، اور یہ عام لوگوں کو صحابہؓ کے خلاف اکسانے کے مترادف ہے، حالانکہ ہم تک دین کے پہنچنے کا واسطہ یہی صحابہؓ ہیں جنھوں نے قرآن وسنت کو ہم تک نقل کیا ہے۔"

اور علامہ ابن تیمیہ رحمتہ اللہ علیہ اپنی مشہور کتاب "العقیدۃ الواسطیہ" میں اہل سنت کے امتیازی عقائد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

ان هذه الآثار المروية فی مساويهم منها ما هو كذب و منها ما قد زيد فيه و نقص و غير وجهه، والصحيح منه هم فيه معذورون، اما مجتهدون مصيبون واما مجتهدون مخطئون، وهم مع ذلک لا يعتقدون ان كل واحد من الصحابة معصوم من كبائر الاثم و صغائره بل يجوز عليهم الذنوب فی الجملة، ولهم من الفضائل والسوابق مايوجب مغفرته مايصدر منهم ان صدر

"(اہل سنت یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ) جن روایات سے صحابہ کرامؓ کی برائیاں معلوم ہوتی ہیں ان میں سے کچھ تو جھوٹ ہی جھوٹ ہیں اور کچھ ایسی ہیں کہ اس میں کمی بیشی کردی گئی ہے، اور ان کا اصل مفہوم بدل دیا گیا ہے، اور ان میں سے جو روایتیں صحیح ہیں، ان میں صحابہؓ معذور ہیں، یا تو مجتہد برحق ہیں، یا اجتہادی غلطی کے مرتکب، لیکن اس کے باوجود اہل سنت کا عقیدہ یہ بھی نہیں ہے کہ صحابہؓ کا ہر ہر فرد چھوٹے بڑے تمام گناہوں سے معصوم تھا، بلکہ فی الجملہ ان سے گناہ صادر ہو سکتے ہیں، مگر ان کی فضیلتیں اتنی ہیں کہ اگر کوئی گناہ صادر ہوا بھی ہو تو یہ فضائل ان کی

مغفرت کا موجب ہیں۔"[1]

اہل سنت کی لکھی ہوئی عقائد و کلام کی تمام کتابیں پڑھ جائیے' وہ اول سے آخر تک اس معاملے میں یک زبان نظر آئیں گی کہ صحابہ کرامؓ سے کسی گناہ کا صدور خالصۃً عقائد کا مسئلہ ہے اور اس کا اثبات ضعیف' مجروح' منقطع یا بلا سند تاریخی روایتوں سے نہیں ہو سکتا' خاص طور سے مشاجرات صحابہؓ کے معاملے میں اس اصول کی بڑی شدت کے ساتھ پابندی کی ضرورت ہے کیوں کہ بقول علامہ ابن تیمیہؒ "حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد سبائی پروپیگنڈہ کے اثر سے صحابہ کرامؓ پر بے بنیاد تہمت طرازیوں کا سلسلہ بہت وسیع ہو گیا تھا" اور اس پروپیگنڈے کے اثرات سے مشاجرات کے زمانے کی تاریخ بھی محفوظ نہیں رہ سکی' یہی وجہ ہے کہ تمام اہل سنت نے حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے اختلاف کو اجتہادی اختلاف اور حضرت معاویہؓ کی غلطی کو اجتہادی غلطی قرار دیا ہے' ورنہ ظاہر ہے کہ جن روایات کی بنیاد پر آج مولانا مودودی صاحب حضرت معاویہؓ کو "حقیقی غلطی" اور سیاسی اغراض کیلئے قرآن و سنت کی صریح خلاف ورزی کا مجرم قرار دے رہے ہیں' وہ روایات آج چودھویں صدی میں کوئی نئی دریافت نہیں ہو گئی ہیں' بلکہ یہ تیرہ صدیوں سے مسلمانوں کی تواریخ میں نقل ہوتی چلی آ رہی ہیں' اس کے باوجود اہل سنت کے کسی ایک فرد نے بھی ان کی بناء پر حضرت معاویہؓ پر یہ الزام نہیں لگایا بلکہ عقائد کی جس کتاب کو اٹھا کر دیکھیے اس میں یہی لکھا ہوا ملے گا کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ سے اجتہادی غلطی ہوئی تھی'[2] سوال یہ ہے کہ کیا عقائد کے

---

[1] الروضۃ الندیہ شرح العقیدۃ الواسطیہ لزید بن عبد العزیز: ص ۴۴۹ مطابع الریاض ۱۳۷۷ھ

[2] دیکھیے شرح الفقہ الاکبر: ص ۸۲: والنبراس علی شرح العقائد ص ۵۴۹' امرتسر: والصواعق المحرقۃ: ص ۱۲۹ مصطفیٰ البابی مصر ۱۳۲۴ھ و شرح العقیدۃ الواسطیۃ ص ۴۴۹ تا ۴۵۱ الریاض ۱۳۷۷ھ والعواصم من القواصم ص ۱۶۸ المکتبۃ السلفیۃ قاہرہ ۱۳۷۱ھ و مکتوبات مجدد الف ثانیؒ: دفتر اول' بریلی ۱۲۸۶ھ' ولوامع الانوار البہیہ للسفارینی ص ۳۸۶ ج ۲: دار الاصفہانی جدہ ۱۳۸۰ھ والمسامرۃ بشرح المسایرۃ ص ۱۳۲ دار العلوم دیوبند ۱۳۷۷ھ و مرقاۃ المفاتیح: ص ۱۴۸ ج ۵ المیمنیہ مصر ۱۳۹۰ھ۔ یہ چند حوالے سرسری طور سے لکھ دیئے گئے ہیں ورنہ اہل سنت کا کوئی عالم ہماری نظر میں نہیں ہے جس نے حضرت معاویہؓ کے اس فعل کو اجتہادی غلطی سے زیادہ کچھ کہا ہو۔ یہاں یہ بھی واضح رہنا چاہئے کہ جن لوگوں

بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر

یہ علماء وائمہ سب کے سب تاریخی روایتوں سے بے خبر تھے؟ یا انہیں ان روایتوں کا علم تو تھا مگر اتنی فہم نہیں تھی کہ وہ اجتہادی غلطی اور حقیقی غلطی میں تمیز کر سکتے؟ یا انہیں روایات کا علم بھی تھا اور وہ ان کا مطلب بھی سمجھتے تھے، مگر عقائد کی کتابیں مرتب کرتے وقت انہوں نے خیانت سے کام لیا اور اصلی واقعات کو چھپا کر محض جذباتی جوش عقیدت پر عقائد کی تعمیر کھڑی کردی؟ اگر کوئی شخص ان میں سے کوئی بات اہل سنت کے تمام علماء، تمام ائمہ اور تمام متکلمین کے بارے میں کہہ سکتا ہے تو صاف صاف کہے اور واضح الفاظ میں اعلان کرے کہ وہ اہل سنت کے عقائد کا پابند نہیں ہے، لیکن اگر ان حضرات کے بارے میں ان میں سے کوئی بات نہیں کہی جا سکتی تو ان کے اس طرز عمل کا اس کے سوا مطلب کیا ہے کہ انہوں نے ان مجروح تاریخی روایات کو درخواعتنا ہی نہیں سمجھا اور ان کو اس لائق قرار نہیں دیا کہ ان کی بناء پر صحابہؓ میں سے کسی کو گناہ کا ملزم قرار دیا جائے۔ یہاں تک کہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے خود اس قسم کی روایات اپنی تاریخ میں نقل کی ہیں، وہ جنگ صفین کے بیان کے بعد لکھتے ہیں :

> وھذا ھو مذھب اھل السنۃ والجماعۃ ان علیا ھو المصیب وان کان معاویۃ مجتھدا، وھو ماجور ان شاء اللہ [۲]
>
> "یہی اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے کہ حضرت علیؓ حق پر تھے، اگرچہ حضرت معاویہؓ بھی مجتہد ہونے کی وجہ سے انشاء اللہ ماجور ہیں۔"

ہم سمجھتے ہیں کہ ان روشن دلائل کی موجودگی میں کوئی انصاف پسند انسان مولانا مودودی صاحب کے اس موقف کو درست تسلیم نہیں کرسکتا کہ صحابہ کرامؓ پر نفسانیت پرستی

حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ

نے حضرت معاویہؓ کے لئے "باغی" یا "امام جائر" کا لفظ استعمال کیا ہے ان کی مراد بھی خود ان کی تصریح کے مطابق صرف یہی ہے کہ وہ حضرت حسنؓ کی صلح سے قبل نفس الامر کے اعتبار سے برسر حق نہ تھے، ورنہ چوں کہ ان کی یہ "بغاوت" تاویل کے ساتھ تھی اس لئے وہ مجتہد مخطی تھے، ملاحظہ فرمایئے: فتح القدیر، ص ۴۶۱، ج ۵ و ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء ص ۷، ج ۱، و تطہیر الجنان بہامش الصواعق، ص ۴۰

[۲] البدایہ والنہایہ ص ۲۷۹ ج ۷

اور ارتکاب کبائر کا الزام عائد کرنے والی روایات کو انکے ضعیف اور مجروح ہونے کے باوجود قبول کرلیا جائے۔ اور اس سلسلے میں ہر قسم کی جرح و تنقید کو ممنوع قرار دے دیا جائے، واقعہ یہ ہے کہ اگر اس معاملے میں مولانا مودودی صاحب کا یہ عجیب وغریب طرز عمل اختیار کرلیا جائے تو کسی صحابی کی آبرو محفوظ نہیں رہ سکتی اور کل کوئی نیا محقق اسی قسم کی روایات کے بل پر خود حضرات شیخینؓ پر بڑی آسانی سے دست درازی کرکے ان کے عہد خلافت ہی میں ملوکیت کے جراثیم دکھلا سکتا ہے۔ آج سے سالہاسال پہلے خود مولانا مودودی صاحب یہ لکھ چکے ہیں کہ اگر اس قسم کی روایات کو مان لیا جائے تو اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تیار کئے ہوئے معاشرے کی کیا تصویر سامنے آتی ہے، وہ تحریر فرماتے ہیں :۔

"اگر آپ اس تاریخ کو باور کرتے ہیں تو پھر آپ کو محمد رسول اللہ مبلغ قرآن، داعئی اسلام، مزکّی نفوس۔ کی شخصیت پر اور انکی تعلیم و تربیت کے تمام اثرات پر خط نسخ کھینچ دینا پڑے گا اور یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ اس پاکیزہ ترین انسان کی ۲۳ سالہ تبلیغ وہدایت سے جو جماعت تیار ہوئی تھی، اور اس کی قیادت میں جس جماعت نے بدر واحد اور احزاب و حنین کے معرکے سر کرکے اسلام کا جھنڈا دنیا میں بلند کیا تھا، اس کے اخلاق، اس کے خیالات، اس کے مقاصد، اس کے ارادے، اس کی خواہشات اور اس کے طور طریق عام دنیا پرستوں سے ذرہ برابر مختلف نہ تھے"۔[1]

---

[1] رسائل و مسائل، ص ۷۲ ج ۱، اسلامک پبلیکیشنز لاہور ۱۹۵۱ء

حضرت معاویہؓ کے عہد حکومت کی صحیح حیثیت

آخر میں ہم اس سوال کا مختصر جواب دینا چاہتے ہیں کہ اگر حضرت معاویہؓ پر عائد کردہ یہ الزامات غلط ہیں تو پھر ان کے عہد حکومت کی صحیح حیثیت کیا ہے؟ کیا وہ ٹھیک اسی معیار اور مرتبہ کے خلیفہ تھے جو معیار اور مرتبہ خلفائے راشدین کو حاصل تھا یا نہیں؟ اگر تھے تو انہیں خلیفۂ راشد کیوں قرار نہیں دیا گیا؟ اور اگر نہیں تھے تو ان میں اور خلفائے راشدین میں فرق کیا تھا؟

یہ سوال ایک معقول سوال ہے' ہمارے نزدیک اور صرف ہمارے نزدیک ہی نہیں' جمہور اہل سنت کے نزدیک بلاشبہ انکی خلافت اور خلفائے راشدین کی خلافت دونوں ایک معیار کی نہیں تھیں' بلکہ دونوں میں فرق تھا' لیکن اس فرق کی جو تشریح مولانا مودودی صاحب نے فرمائی ہے' وہ نہ معقول ہے نہ مستند طریقے سے ثابت ہے اور نہ اہل سنت کے عقائد سے میل کھاتی ہے۔ مولانا مودودی صاحب نے حالات کے اس تغیر کی جو تشریح کی ہے' اس سے ذہن میں نقشہ کچھ اس طرح بنتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد یک بیک حالات بالکل پلٹ گئے' خلافت راشدہ تمام مثالی خوبیوں کا مجموعہ تھی' مگر حضرت معاویہؓ کے خلافت سنبھالتے ہی اس میں ملوکیت کی تمام خرابیاں پیدا ہو گئیں' تقویٰ کے فوراً بعد فسق حکمراں ہو گیا' اور جو معاشرہ خلافت راشدہ کے عہد میں تاریخ کا پاکیزہ ترین معاشرہ تھا' اسی معاشرہ میں حضرت معاویہؓ کے عہد میں نفسانیت کی تمام پستیاں جمع ہو گئیں۔ ۴۰ھ تک خلافت کی طرف سے علانیہ قانون شکنی کا تصور نہ ہو سکتا تھا' اور ۴۱ھ میں قانون شکنی "بدعت" اور "تحریف دین" کی حد تک پہنچ گئی۔ ۴۰ھ میں رشوت ستانی کا خیال کسی کو نہ آتا تھا' ۴۱ھ میں اسے شیر مادر سمجھ لیا گیا' ۴۰ھ تک کافروں کو بھی سب وشتم

نہ کیا جاتا تھا' اور یہاں جلیل القدر صحابہ پر سبّ وشتم کی بوچھاڑ ہونے لگی۔ پہلے مال غنیمت میں خورد برد کا شبہ بھی نہیں کیا جا سکتا تھا اور ایک ہی دو سال میں اب باقاعدہ اس خیانت کے لئے احکام جاری ہونے لگے' پہلے کسی کی مجال نہ تھی کہ وہ اپنے اقتدار کے سہارے لوگوں پر ظلم وستم کر سکے' اور اب یہ ظلم وستم خود مرکز کی پالیسی قرار پا گئی' پہلے عوام کی غیرت اور حکام کی خدا ترسی کا عالم یہ تھا کہ معمولی سے معمولی آدمی خلیفہ کا گریبان تھام سکتا تھا' اور اب ایک ہی سال کے فرق سے لوگوں کی بے غیرتی اور حاکم کے جبر وتشدد کا یہ حال ہو گیا کہ ضمیروں پر قفل چڑھ گئے اور کوڑے حق گوئی کا انعام بن گئے۔ غرض یہ کہ ۴۰ھ کے ختم ہوتے ہی محض مفادات پر مبنی سیاست کا وہ بازار گرم ہو گیا جو آج بیسویں صدی میں ہمیں نظر آتا ہے۔

یہ صورتحال نہ صرف یہ کہ حالات کی اس تدریج کے خلاف ہے جو عموماً تاریخ میں کار فرما ہوا کرتی ہے بلکہ اگر اس صورت حال کو تسلیم کر لیا جائے تو ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم کے ارشاد نبوی کا کوئی مطلب نہیں رہتا۔

لہٰذا خلافت راشدہ اور حضرت معاویہؓ کے عہد حکومت میں فرق تو بیشک تھا' لیکن وہ تقویٰ اور فسق کا فرق نہ تھا' بلکہ اس فرق کی بہترین تشریح وہ ہے جو مشہور صحابی حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمائی ہے :

حضرت عدی بن حاتمؓ حضرت علیؓ کے سرگرم حامیوں میں سے تھے' صفین وغیرہ کی جنگوں میں انہوں نے کھل کر حضرت علیؓ کا ساتھ دیا اور حضرت معاویہؓ کے زمانے میں بھی وہ اپنے اس موقف پر مضبوطی سے قائم رہے' ایک مرتبہ حضرت معاویہؓ نے ان سے پوچھا کہ ہمارے عہد حکومت کے بارے میں تمہارا خیال ہے' وہ کیسا ہے؟ حضرت عدیؓ نے فرمایا کہ اگر سچ کہیں تو تمہارا خوف ہے اور جھوٹ کہیں تو اللہ کا۔ حضرت معاویہؓ نے فرمایا میں تمہیں قسم دیتا ہوں' سچ سچ بیان کرو۔

اس پر حضرت عدیؓ نے ارشاد فرمایا :

عدل زمانکم هذا جور زمان قد مضیٰ' وجور زمانکم هذا عدل زمان ما یاتی [1]

---

[1] الیعقوبی ص ۲۳۳ ج ۲' دار صادر بیروت ۷۹ ۱۳ھ

"تمہارے زمانے کا انصاف پہلے زمانے کا ظلم تھا اور تمہارے زمانے کا
ظلم آئندہ زمانے کا انصاف ہوگا۔"

حضرت عدیؓ کے اس جامع جملے کا مطلب ہی یہ ہے کہ حضرات خلفائے راشدین احتیاط تقویٰ اور احساس ذمہ داری کے جس معیار بلند پر فائز تھے بعد میں وہ معیار باقی نہیں رہا۔ خلفائے راشدینؓ عزیمت پر عامل تھے اور حضرت معاویہؓ نے رخصتوں میں توسّع سے کا لیا۔ وہ حضرات اپنی عمومی زندگی میں تقویٰ اور احتیاط پر عمل کرتے تھے' اور حضرت معاو مباحات کی حد تک خلاف احتیاط باتوں کو بھی گوارا کرلیتے تھے۔ مثلاً خلفائے راشدینؓ نے عزیمت اور احتیاط پر عمل کرتے ہوئے اپنے بیٹے کو ولی عہد نہیں بنایا' باوجود یکہ ان صاحبزادوں میں خلافت کی شرائط پائی جاتی تھیں' اس کے برخلاف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے رخصت پر عمل کرتے ہوئے بیٹے کو ولی عہد بنادیا۔ خلفائے راشدینؓ نے عزیمت او اور احتیاط کے تحت اپنا طرز معیشت نہایت فقیرانہ بنایا ہوا تھا مگر حضرت معاویہؓ نے رخصت واباحت پر عمل کیا۔ اور ان کے مقابلے میں نسبتاً فراخی عیش اختیار فرمائی۔[1] خلفائے راشدین کے احساس ذمہ داری کا عالم یہ تھا کہ وہ عوام کے ایک ایک فرد کی خبرگیری اس کے گھر جا جا کر کیا کرتے تھے' اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ایسی کوئی بات مروی نہیں ہے' خلفائے راشدینؓ کی اصابت رائے اور صحت اجتہاد کا عالم یہ تھا کہ خو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اتباع کے ساتھ ان کے اتباع کا حکم فرمایا' لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں جمہور امت کا عقیدہ یہ ہے کہ ان سے متعد اجتہادی غلطیاں سرزد ہوئیں۔

اسی قسم کی چیزیں تھیں جن کے بارے میں حضرت عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرما ہیں کہ :

تمہارے زمانے کا انصاف پہلے زمانے کا ظلم تھا۔

---

[1] مگر یہ فراخی عیش بھی آج کل کے حکمرانوں کی سی عیش کوشی نہ تھی' یونس بن میسرہؒ کہتے ہیں ک میں نے حضرت معاویہؓ کو دمشق کے بازاروں میں اس حالت میں چلتے دیکھا ہے کہ انہوں نے پیوند ہوئی قمیض پہنی ہوئی تھی۔ (البدایہ والنہایہ' ص ۱۳۴ ج ۸)

عقائد کے علماء وائمہ نے بھی خلفائے راشدینؓ اور حضرت معاویہؓ کے عہد خلافت میں یہی فرق بیان فرمایا ہے۔ علامہ عبدالعزیز فرہاری رحمتہ اللہ علیہ جو علم عقائد کے مشہور محقق عالم ہیں، تحریر فرماتے ہیں :

قلت لاهل الخير مراتب بعضها فوق بعض و كل مرتبة منها يكون محل قدح بالنسبة الى التى فوقها.... ولذ اقيل حسنات الابرار سيئات المقربين و فسر بعض الكبراء قوله عليه السلام انى لاستغفر الله فى اليوم اكثر من سبعين مرة بانه كان دائم الترقى و كلما كان يترقى الى مرتبة استغفر عن المرتبة التى قبلها واذا تقرر ذلك فنقول كان الخلفاء الراشدون لم يتوسعوا فى المباحات وكان سيرتهم سيرة النبى صلى الله عليه وسلم فى الصبر على ضيق العيش والجهد... واما معاويةؓ فهو ان لم يرتكب منكرا لكنه توسع فى المباحات ولم يكن فى درجة الخلفاء الراشد ين فى اداء حقوق الخلافة لكن عدم المساواة بهم لايو جب قدحا فيه

"اہل خیر کے مختلف مراتب ہوتے ہیں، جن میں سے بعض دوسرے بعض سے بلند ہوتے ہیں۔ اور ان میں سے ہر مرتبہ اپنے سے بلند مرتبے کے اعتبار سے قابل اعتراض ہوتا ہے... اسی لئے مقولہ مشہور ہے کہ "نیک لوگوں کے حسنات مقرب لوگوں کی برائیاں ہوتی ہیں" اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو یہ ارشاد مروی ہے کہ "میں دن میں ستر سے زیادہ دفعہ اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہوں" اس کی تشریح بعض اکابر نے اس طرح فرمائی ہے کہ آپ کے درجات میں ہر آن ترقی ہوتی رہتی تھی، اور آپ جب بھی ترقی کا کوئی اگلا درجہ حاصل کرتے تو پچھلے درجہ سے استغفار فرماتے تھے، جب یہ بات طے ہو گئی تو ہم یہ کہتے ہیں کہ خلفاء راشدینؓ نے مباحات میں توسع سے کام نہیں لیا تھا، اور تنگی عیش پر صبر اور جدوجہد کے معاملے میں ان کی سیرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھی..... رہے حضرت معاویہؓ سو انہوں نے اگرچہ کسی منکر (کھلے گناہ) کا ارتکاب تو

نہیں کیا لیکن انہوں نے مباحات میں توسع اختیار کیا' اور حقوق خلافت کی ادائیگی میں وہ خلفاء راشدینؓ کے درجے میں نہیں تھے' لیکن ان کی برابری نہ کر سکنا ان کے لئے کسی قدح کا موجب نہیں ہے"۔[۱]

غرض یہ کہ اگر اکابر صحابہ کرام کو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں کچھ خرابیاں نظر آتی تھیں تو وہ خلفائے راشدین کی نسبت سے تھیں' ظاہر ہے کہ جو حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ اور عثمانؓ و علیؓ کا انداز حکومت دیکھ چکے تھے انہیں حضرت معاویہؓ کے عہد حکومت میں خامیاں نظر آئیں تو کچھ بعید نہیں ہے' لیکن اس سے اس بات کا کوئی جواز نہیں نکلتا کہ ساڑھے تیرہ سو برس کے بعد کوئی شخص بعض صحابہ کرامؓ کے اس تاثر کو بنیاد بنا کر حضرت معاویہؓ کے عہد حکومت میں آج کی گندی سیاست کے تمام مظاہرے تلاش کرنے شروع کر دے اور تحقیق کے بغیر ان پر جھوٹ' خیانت' رشوت' اخلاقی پستی' ظلم و جور' بے حمیتی اور سیاسی بازی گری کے وہ تمام الزامات عائد کر ڈالے جو آج سیاست دانوں میں نظر آتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ خلافت راشدہ کی نسبت سے ان کے عہد حکومت میں فرق ضرور تھا۔ لیکن یہ فرق فسق و معصیت اور ظلم و جور کی حد تک نہیں پہنچا تھا' ان کی حکومت' حکومت عادلہ ہی تھی' حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی ارشاد فرماتے ہیں[۲] :

ما رایت احدًا بعد عثمان اقضی بحق من صاحب هذا الباب یعنی معاویة

"میں نے عثمانؓ کے بعد کوئی شخص اس صاحب مکان یعنی معاویہؓ سے زیادہ حق کا فیصلہ کرنے والا نہیں دیکھا"

امام ابوبکر اثرمؒ نے اپنی سند سے ابوہریرہ المکتب کا قول نقل کیا ہے کہ ہم مشہور محدث امام اعمشؒ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے' حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے عدل و انصاف کا ذکر چل نکلا تو امام اعمشؒ نے فرمایا کہ (تم عمر بن عبدالعزیز کے انصاف پر حیران ہو)' اگر معاویہؓ کا

---

[۱] النبراس علی شرح العقائد ص ۵۱۰ مطبع روز بازار امرتسر ۱۳۱۸ھ

[۲] البدایہ والنہایہ ص ۱۳۳ ج ۸

عہد حکومت پالیتے تو تمہارا کیا حال ہوتا؟" لوگوں نے پوچھا کیا ان کے حلم کے اعتبار سے؟" امام اعمشؒ نے جواب دیا "نہیں' خدا کی قسم ان کے عدل و انصاف کے اعتبار سے۔[1] اور حضرت قتادہؒ' حضرت مجاہدؒ اور حضرت ابو اسحاق سبیعیؒ جیسے جلیل القدر تابعین اپنے زمانے کے لوگوں سے خطاب کر کے فرماتے ہیں کہ "اگر تم حضرت معاویہؓ کا عہد پالیتے تو یہ کہنے پر مجبور ہوتے کہ یہ مہدی (ہدایت یافتہ) ہیں"[2] اور کیوں نہ ہو؟ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہؓ کے حق میں یہ دعا فرمائی تھی کہ :

اللھم اجعلہ ھادیًا مھدیًا واھدبہ

"اے اللہ ان کو ہادی اور ہدایت یافتہ بنا اور ان کے ذریعے لوگوں کو ہدایت دے"[3]

یہاں یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "میرے بعد خلافت تیس سال تک رہے گی اور اس کے بعد کاٹ کھانے والی ملوکیت آجائے گی۔" یہ تیس سال حضرت حسنؓ کے عہد خلافت پر ختم ہو جاتے ہیں' اور اس کے بعد حضرت معاویہؓ کا عہد حکومت شروع ہوتا ہے۔

اس اعتراض کے جواب میں بعض علماء نے اس حدیث کی سند پر تنقید کر کے اسے غیر صحیح قرار دیا ہے۔ چنانچہ قاضی ابو بکر ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ "ھذا حدیث لایصح" (یہ حدیث صحیح نہیں ہے)۔

اور بعض دوسرے علماء نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث مجمل ہے اور اس میں تیس سال کے بعد ایک عمومی حکم بیان فرمایا گیا ہے' ہر ہر فرد کی تفصیلات بیان نہیں کی گئیں' یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا عہد حکومت اس سے باتفاق مستثنیٰ ہے' علامہ ابن حجر ہیتمیؒ فرماتے ہیں کہ ایک دوسری حدیث میں اس کی تفصیل آئی ہے اور اس سے حضرت معاویہؓ کے عہد حکومت کی صحیح حیثیت واضح ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

---

[1] منہاج السنۃ ص ۱۸۵ ج ۳ بولاق مصر ۱۳۲۲ھ   [2] ایضا

[3] تبویب مسند احمدؒ (الفتح الربانی) ص ۳۵۶ ج ۲۲   [4] العواصم من القواصم' ص ۲۰۱

اول هذا الامر نبوة ورحمة ثم يكون خلافة ورحمة ثم يكون ملكا ورحمة ثم يكون امارة ورحمة ثم يتكادمون عليها تكادم الحمير

علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ "رجالہ ثقات"[1] (اس کے تمام راوی ثقہ ہیں) اس حدیث میں واضح کردیا گیا ہے کہ خلافت راشدہ ختم ہونے کے بعد جو حکومت آئے گی وہ بھی "ملوکیت اور رحمت" ہوگی۔ علامہ ابن حجرہیتمیؒ اس کی مزید تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

"بلاشبہ حضرت معاویہؓ کے عہد خلافت میں بہت سے ایسے امور واقع ہوئے جو خلفائے راشدین کے عہد میں مانوس نہیں تھے اور ان ہی امور پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ان کی خلافت کو "ملک عاض" (کاٹنے والی ملوکیت) سے تعبیر کیا گیا' اگرچہ حضرت معاویہؓ اپنے اجتہاد کی وجہ سے ماجور ہی ہیں' اس لئے کہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ مجتہد اگر حق پر ہو تو اسے دو اجر ملتے ہیں اور اگر غلطی پر ہو تو اسے ایک اجر ملتا ہے اور حضرت معاویہؓ بلاشبہ مجتہد تھے لہٰذا اگر ان سے اجتہاد میں غلطی ہوئی تب بھی انہیں ثواب ملا' اور یہ بات ان کے حق میں قابل اعتراض نہیں ہے' لیکن ان کی حکومت کو جو ان اجتہادی غلطیوں پر مشتمل تھی "عاض" ہی کہا گیا ....(پھر معجم طبرانی کی مذکورہ روایت بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں)....
خلافت کے بعد جس ملوکیت کا ذکر "طبرانی کی" حدیث میں کیا گیا ہے' اس سے مراد حضرت معاویہؓ کی حکومت ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے "رحمت" قرار دیا ہے۔ لہٰذا ان کی حکومت میں ایک اعتبار سے ملک عضوض کی شان ہے اور ایک اعتبار سے رحمت کی' لیکن خارجی واقعات کے اعتبار سے یہ بات ظاہر ہے کہ حضرت معاویہؓ کے عہد حکومت میں رحمت کی شان زیادہ ظاہر ہے اور ان کے بعد والے لوگوں میں ملک عضوض کی۔"[2]

---

[1] تطہیر الجنان علی ہامش الصواعق المحرقۃ ص ۳۱

[2] تطہیر الجنان علی ہامش الصواعق: ص ۳۱

اپنی ایک اور کتاب میں علامہ ابن حجر ہیتمیؒ رقم طراز ہیں :

حضرت سفینہؓ سے جو مروی ہے کہ حضرت معاویہؓ پہلے بادشاہ ہیں' اس سے یہ وہم نہ کیا جائے کہ حضرت معاویہؓ کی خلافت صحیح نہ تھی۔ اس لئے کہ ان کی مراد یہ ہے کہ اگرچہ ان کی خلافت صحیح تھی لیکن اس پر ملوکیت کی مشابہت غالب آگئی تھی' اس لئے کہ وہ بہت سے معاملات میں خلفائے راشدینؓ کے طریقوں سے نکل گئی تھی۔ لہٰذا خلافت کی بات اس لئے صحیح ہے کہ حضرت حسنؓ کی دست برداری اور اہل حل وعقد کے اتفاق کے بعد حضرت معاویہؓ کی خلافت حق اور صحیح تھی اور ملوکیت کی بات اس لئے درست ہے کہ ان کے عہد حکومت میں کچھ ایسے امور واقع ہوئے جن کا منشاء غلط اجتہاد تھا جس کی بنیاد پر مجتہد گناہ گار تو نہیں ہوتا لیکن اس کا رتبہ ان لوگوں سے بہرحال گھٹ جاتا ہے جن کے اجتہادات صحیح اور واقعہ کے مطابق ہوں اور یہ حضرات خلفائے راشدین اور حضرت حسن رضی اللہ عنہم تھے۔ لہٰذا جو شخص حضرت معاویہؓ کے عہد حکومت پر ملوکیت کے لفظ کا اطلاق کرتا ہے اس کی مراد یہ ہوتی ہے کہ ان کی حکومت میں مذکورہ اجتہادات واقع ہوئے اور جو شخص اسے خلافت قرار دیتا ہے اس کی مراد یہ ہوتی ہے کہ حضرت حسنؓ کی دست برداری اور اہل حل وعقد کے اتفاق کے بعد وہ خلیفہ برحق اور واجب الاطاعت تھے اور اطاعت کے لحاظ سے لوگوں پر ان کے وہی حقوق تھے جو ان سے پہلے خلفائے راشدینؓ کو حاصل تھے۔ لیکن یہ بات ان کے بعد آنے والے لوگوں کے بارے میں نہیں کہی جاسکتی اس لئے کہ وہ اجتہاد کے اہل نہیں تھے بلکہ ان میں سے بعض تو کھلے عاصی اور فاسق تھے اور انہیں کسی بھی اعتبار سے خلفاء میں شمار نہیں کیا جاسکتا' بلکہ وہ ملوک کی فہرست ہی میں آتے ہیں۔"[1]

اس پوری بحث سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ حضرت معاویہؓ اور خلفائے راشدینؓ کے عہد حکومت میں فرق تو بیشک تھا' حضرت معاویہؓ کی حکومت اس معیار کی نہیں تھی جو

---

[1] الصواعق المحرقہ' ص ۱۳۱ میمنہ مصر ۱۳۲۴ھ

خلفائے راشدین کو حاصل تھا' لیکن جمہور امت کے نزدیک یہ فرق اتنا بڑا نہیں تھا کہ ایک طرف تقویٰ ہو اور دوسری طرف فسق وفجور یا ایک طرف عدل ہو اور دوسری طرف ظلم وجور' بلکہ یہ فرق عزیمت و رخصت کا' تقویٰ اور مباحات کا' احتیاط اور توسع کا اور اصابت رائے اور قصور اجتہاد کا فرق تھا۔ جن لوگوں نے اس فرق کا لحاظ کیا' انہوں نے ان کی حکومت کو "ملوکیت" کا نام دے دیا اور جن لوگوں نے یہ دیکھا کہ یہ فرق فسق وفجور کی حد تک نہیں پہنچا تھا' انہوں نے اسے "خلافت" ہی قرار دیا۔ علامہ ابن تیمیہؒ نے بالکل صحیح فرمایا کہ :

> فلم یکن من ملوک المسلمین ملک خیر من معاویۃ ولا کان الناس فی زمان ملک من الملوک خیر امنھم فی زمن معاویۃؓ اذا نسب ایامہ الی ایام من بعدہ واما اذا نسبت الی ایام ابی بکرؓ و عمرؓ ظھر التفاضل
>
> "مسلمان بادشاہوں میں سے کوئی حضرت معاویہؓ سے بہتر نہیں ہوا اور اگر ان کے زمانے کا مقابلہ بعد کے زمانوں سے کیا جائے تو عوام کسی بادشاہ کے زمانے میں اتنے بہتر نہیں رہے جتنے حضرت معاویہؓ کے زمانے میں' ہاں اگر ان کے زمانے کا مقابلہ ابوبکرؓ و عمرؓ سے کیا جائے تو فضیلت کا فرق ظاہر ہو جائیگا۔"[1]

یہ فرق جو عقائد وکلام کے ان بزرگوں نے بیان فرمایا ہے' تاریخی تدریج کے مطابق بھی ہے' اہل سنت کے عقائد کو بھی اس سے ٹھیس نہیں لگتی تاریخ سے ثابت بھی ہے اور صحابہ کرامؓ کے شایان شان بھی۔ اس کے برخلاف مولانا مودودی صاحب نے جو فرق بیان فرمایا ہے وہ کسی بھی اعتبار سے قابل قبول نہیں ہے۔

خلافت راشدہ اور ملوکیت کے درمیان کیا فرق ہے؟ اور کیا کسی ایسی حکومت عادلہ کا وجود ممکن ہے جو خلافت راشدہ تو نہ ہو لیکن اسے شریعت اسلام کے دائرہ سے باہر بھی نہ کہا جاسکے؟ اس موضوع پر شاہ اسماعیل شہید رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب "منصب امامت" میں تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے' اس بحث سے مختلف حکومتوں کے مدارج بھی

---

[1] منہاج السنۃ' ص ۱۸۵' ج ۳